الحادِ مغرب اور ہم
ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ
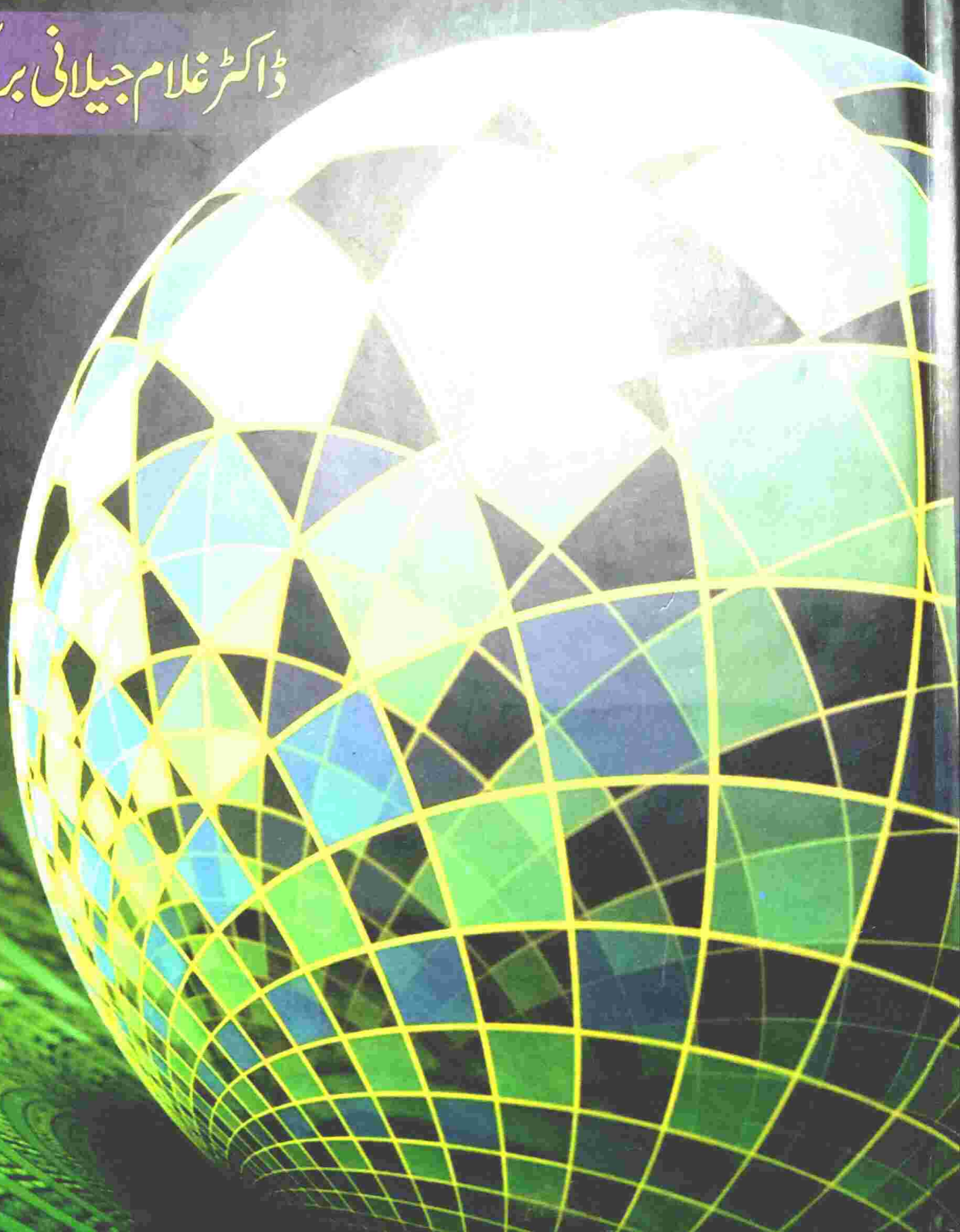
فہرست

پیش لفظ

الحادِ مغرب کی تاریخ بڑی دلچسپ ہے۔ قرونِ وسطی میں یورپی پادری نے اسلامی تعلیمات اور سیرت رسول مقبول ﷺ کو مسخ کر کے مغربی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ مسلمانوں کو جاہل اور جنگجو ظاہر کر کے ان کے خلاف نفرت پھیلائی۔ انہیں عیسائیت کا دشمن قرار دے کر یورپی عیسائی اقوام کو ان کے خلاف جنگ پر ابھارا۔ صلیبی معرکوں کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب مغربی پادری کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہی معاندانہ رویہ تھا۔ متعدد جنگوں میں پٹنے کے بعد عیسائی اقوام کو بالآخر سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں فیصلہ کن شکست ہوئی۔

صلیبی جنگوں میں شریک ہزارہا یورپی عیسائیوں نے مشرق وسطی میں اسلامی تہذیب وتمدن کا براہ راست مشاہدہ کیا۔ دینی و اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ، منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، تاریخ، جغرافیہ، تقابل ادیان، معاشیات، سیاسیات، طبیعیات، علم کیمیا جیسے علوم کی تدریس وتحقیق کے لیے ایشیائے کوچک، عراق، شام، لبنان، فلسطین اور مصر میں درس گاہوں کا جال بچھا دیکھا۔ دینی و دنیوی علوم کے جید علماء اور ماہرین ہیئت و ہندسہ کے اخلاق و کردار اور شرافت و انسانیت سے گہرا اثر قبول کیا۔ وہ سائینسی تجربہ گاہوں اور طبی معامل میں سائینسی، تکنیکی اور طبی ایجادات و انکشافات نیز مسلمان سائینسدانوں اور طبیبوں کے انہماک سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے مساجد و مدارس میں عالمگیر دین اسلام کے خطبا و مبلغین کو محبت الٰہی، اخلاق حسنہ، انسانیت، دوستی، رواداری اور خدمت خلق کی دعوت وتبلیغ میں مصروف پایا۔ وہ مسلمانوں کی ترقی یافتہ پیمانے پر زراعت، صنعت اور تجارت دیکھ کر متحیر رہ گئے۔ غرض یورپی عیسائی سیاسی اور فوجی طور پر تو شکست کھا ہی چکے تھے، وہ ذہنی طور پر بھی اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی علوم وفنون کی عظمت کے دل وجان سے قائل ہو کر یورپ لوٹے۔

مغربی پادری کے محدود مذہبی تصور میں انسانیت کی دنیوی فلاح و بہبود کی کوئی گنجائش

موجود نہ تھی۔ دوسری طرف عیسائی اہل علم و دانش اسلام اور مسلمانوں کی ترقی اور اپنی پسماندگی کا تقابل کرتے اور مسلمانوں جیسی ترقی یافتہ قوم بننے کی خواہش کے ساتھ جدید سائنسی اور معاشرتی علوم کو اپنانے کے لیے بے قراری کا اظہار کرتے۔ یہی وہ دور تھا جس میں سائنسی اور طبیعیاتی علوم پر کام کرنے والے کئی یورپی سائنسدانوں اور ہیئت دانوں کو پادری کے فتوی پر پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اسی دور میں مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے سے متصادم قرار دیا گیا۔ مذہب اور سائنس کی اس جنگ میں بالآخر پادری کو شکست ہوئی۔ چونکہ پادری اپنے آپ کو مذہب کے مترادف قرار دیتا تھا اس لیے اس کی شکست کا مطلب مذہب کی شکست سمجھا جانے لگا۔

انفس و آفاق کے ماہرین نے کائنات وحیاتیات میں جدید انکشافات کی بنیاد پر قوانین فطرت ہی کو مدار اعلیٰ قرار دے کر خدا کے تصور کو بے حد متاثر کیا۔ کائنات و حیاتیات کی تحقیق اور تلاش و جستجو میں انہیں اپنے مؤقف کی تائید میں مسلسل دلائل فراہم ہوتے گئے اور وہ اپنے نقطہ نظر کو علمی و تحقیقی بنیادوں پر استوار کرتے چلے گئے۔ اسحاق نیوٹن (1622-1727ء) والٹیئر (1694-1778ء) ڈیوڈ ہیوم (1711-1776ء) ڈارون (1809۔ 1882ء) جیسے ماہرین سائنس، فلسفہ، فلکیات و حیاتیات کے نظریات نے مابعد الطبیعیات عقائد وتصورات کو سخت نقصان پہنچایا اور ان کی جگہ طبیعیات پر انحصار کے نظریے کو تقویت دی۔ ان کے مقابلے میں پادری صاحبان بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو نہ ڈھال سکے۔ وہ اپنے اندر رواداری، وسعت نظری اور وصف تعریف و تحسین پیدا نہ کر سکے۔ بلکہ اپنے محدود علم کی بناء پر انہوں نے سائنس کو مذہب کا مخالف قرار دے دیا اور اس طرح جدید علوم وفنون کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کر کے مذہب کے حق میں سائنسی اور علمی بنیاد پر ٹھوس دلائل پیش کرنے میں ناکام رہے۔ حالانکہ وہ اپنے منصب کے اعتبار سے اس بات کے ذمہ دار تھے کہ کائنات وحیاتیات کے بارے میں جو جدید معلومات سامنے آ رہی تھیں ان کی روشنی میں خالق کائنات پر ایمان و

عقیدہ کے نئے دلائل اخذ کرتے اور مابعد الطبیعیات عقائد و تصورات کو تقویت پہنچاتے، لیکن وہ اپنی کم علمی اور رجعت پسندی کے سبب ایسا نہ کر سکے۔ اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ سائنس اور فلسفہ نے یورپ کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا اور مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑتی چلی گئی۔

پادری کی کم علمی، تنگ نظری، ہٹ دھرمی اور سائینسی، تکنیکی اور معاشرتی علوم کی مخالفت کے سبب یورپ میں بالآخر پادری اور پارلیمان کے دائرہ کار کو علیحدہ علیحدہ کر کے پادری کے دائرہ عمل کو گرجے کی چار دیواری میں محدود کر دیا گیا۔ اسے پارلیمان میں ہونے والی آئین سازی اور قانون سازی میں مداخلت کا کوئی اختیار نہ رہا۔ اب یورپی عوام و خواص اپنی مرضی کے مطابق قانون سازی کے لیے اپنی پسند کے ممبران پارلیمان کا انتخاب کرنے لگے۔ یورپ میں پادری اور پارلیمان کی علیحدگی کے بعد قانون سازی کی بنیاد انسانی سوچ اور فکر قرار پائی اور مذہب الٰہیات اور مذہبی رسوم و عبادات تک محدود ہو کر رہ گیا۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب ملک کے معروف دانشور اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے اس کتاب میں الحاد مغرب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور یورپ کے ان مفکرین کا ذکر کیا ہے، جن کے افکار مغرب میں الحاد کا سبب بنے۔ آپ نے الحاد کے خلاف سرگرم عمل علمی انجمنوں اور اداروں کا جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے وجود ذات باری تعالیٰ پر جدید علوم کی روشنی میں بڑی مبسوط بحث کی ہے اور محکم دلائل سے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب عام فہم اور سلیس زبان میں لکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ عوام و خاص کے لیے یکساں طور پر مفید ثابت ہو گی۔

(محمد یوسف گورایہ)

ڈائریکٹر علماء اکیڈیمی، محکمہ اوقاف پنجاب

بادشاہی مسجد، لاہور

25 رجون 1976ء

حرفِ اوّل

عالم اسلام پر فکرِ مغرب کی یلغار دو سو سال سے جاری ہے۔ نتیجہ یہ: کہ ہمارے عقائد کے تاج محل پیوند زمین ہو گئے۔ توانائی و جبروت کے سوتے سوکھ گئے اور ہم اپنی ہی تاریخ کے آثارِ قدیمہ بن کر رہ گئے۔ آج مذہب کا ہر جگہ تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔ نسل نو کے ذہنوں میں بغاوت، انتشار اور لامقصدیت کے عفریت ناچ رہے ہیں اور ابن آدم اسیر اضطراب ہے۔ ضروری ہے کہ اس صورت حال کا کوئی مداوا سوچا جائے۔ یہ کتاب اسی مقصد کے پیش نظر لکھی گئی ہے اور اس میں مسائل ذیل زیر بحث آئے ہیں:۔

اول: ملاحدۂ مغرب، ڈارون، رسل، مارکس وغیرہ کے افکار پر تبصرہ۔

دوم: وجود باری پہ دلائل۔

سوم: مذہب کی ضرورت۔

چہارم: اسلام کی اہمیت۔

اللہ اور اُس کی صفات پہ ایمان، ہزار ٹھوکروں سے بچاتا اور ہر الجھن کا حل مہیا کرتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کائنات حُسن، زندگی اور توانائی کا سرچشمہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا خالق کون ہے؟ ایک مومن کا جواب تو سیدھا سا ہے کہ اللہ۔ لیکن دہریہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے گا اور تشکیک کی تاریک وادیوں میں سدا بھٹکتا پھرے گا۔

آج دنیا میں گناہ اس لیے بڑھ گیا ہے کہ ہمیں خدا پہ ایمان اور یوم الحساب کا خوف نہیں رہا۔ اگر ہمیں اس حقیقت کا یقین ہو جائے کہ خدا نیکی سے خوش اور گناہ سے ناراض ہوتا ہے تو ہم گناہ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچیں گے۔

انسان کی ساری جدوجہد عظمت، مسرت، سکون قلب اور بقا کے لیے ہے۔ ان

نعمتوں کا سرچشمہ ذات الٰہی ہے اور وہی لوگ ان سے متمتع ہو سکتے ہیں جو ذکر و عبادت سے اللہ کا قرب حاصل کر لیں۔ لاہور میں ہندوستان کے شہنشاہ بھی دفن ہیں اور اللہ کا ایک پرستار (حضرت داتاؒ) بھی۔ یہ شہنشاہ یک دست دعا اور یک کلمۂ خیر کے لیے ترس گئے ہیں۔ اور دربار داتا کا یہ عالم کہ کم از کم دس ہزار زائرین روزانہ وہاں آتے، پھول چڑھاتے، دعائیں مانگتے اور پہروں عبادت کرتے ہیں۔ حضرت داتاؒ کو یہ عظمت یہ مقبولیت اور یہ بقا کیسے حاصل ہوئی؟ جواب ہے: سجدوں سے ملی۔ اللہ پہ ایمان نہ ہوتو عبادت کہاں ہوگی؟ عبادت نے ہوتو عظمت و مقبولیت کیسے ملی گی؟ اور سکون قلب کی دولت کیونکر حاصل ہوگی؟ یاد رکھیئے کہ سکون قلب نہ کاروں میں ہے، نہ دولت کے انباروں میں، یہ نعمت صرف سجدے سے ملتی ہے۔

نہ خواہم ایں جہاں و آں جہاں را　　مرا ایں بس کہ دانم رمز جاں را
سجودے دہ کہ از سوز و سرورش　　بوجد آرم زمین و آسماں را

مصیبتیں ہر انسان پر آتی ہیں۔ اللہ کو ماننے والا اللہ کے حضور میں جھک کر اس سوز و گداز سے دعائیں مانگتا ہے کہ رحمتیں بے تاب ہو کر اُس کی طرف لپکتی ہیں۔ لیکن ایک منکر کہاں جائے اور کس کو بلائے؟ دعا میں نیاز و گداز کی توانائی شامل ہوتی ہے۔ جو مکینانِ اثیر کو مائل بہ کرم کر دیتی ہے۔ بقول لیڈ بیٹر (Lead Beater):

Prayer is a great outpouring of force in higher plane, a great mental and emotional effort, and in a world which is governed by law there can be no effort which does not produce a result, because action and re-action are inextricably woven together. [1]

---

[1] Invisible Helpers p.4

(دعا کیا ہے؟ توانائی کی ایک رو عالم بالا میں بھیجنا۔ یہ ایک طاقتور دماغی وجذباتی کوشش ہے اور ایک ایسی دنیا میں جہاں قانون کی حکومت ہے کوئی کوشش بے نتیجہ نہیں رہ سکتی۔ یہاں عمل کے ساتھ اُن کے نتائج یوں وابستہ ہیں کہ انہیں جدا کرنا ناممکن ہے)

قرون وسطی (500۔1500ء) میں یورپ گناہ، افلاس، جہالت، غلاظت اور بربریت میں تابفرق ڈوبا ہوا تھا۔ اسلام یورپ میں پہنچا تو وہ ایک روشن تہذیب، حیات کا ایک بلند نصب العین، علوم کے انبار اور ااخلاق کا ایک حسین نظام ساتھ لے گیا تھا۔ یورپ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ انہی علوم سے مسلح ہو کر تسخیر ممالک کے لیے نکل پڑا اور رفتہ رفتہ انڈونیشیا سے دمشق اور خراسان سے مراکش تک چھا گیا۔ ان ممالک میں اس نے اتنی لوٹ مار کی کہ اس کے گھر اور خزانے دولت سے بھر گئے۔ اگر دولت کی زمام مذہب کے ہاتھ میں نہ ہو تو وہ عیاشی وفحاشی کا سیلاب بن کر سب کچھ بہالے جاتی ہے۔ یہی [1] کچھ یورپ میں ہوا کہ دولت کی فراوانی نے انہیں بدمست، بد کردار اور مذہب سے متنفر بنا دیا۔ چونکہ مذہب عدل، فضل، رحم اور غریب پروری کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یورپ ان صفات سے خالی ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے مذہب کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ ان ''مجاہدوں'' میں کارل مارکس، ڈارون، ہکسلے، فرائیڈ اور رسل سرفہرست ہیں۔ یہ لوگ بلا کے ذہین، ادیب اور عالم تھے۔ انہوں نے انکار خدا پر وہ دلائل پیش کئے کہ مشرق ومغرب میں ہر جگہ لاکھوں ملحد پیدا ہو گئے۔ ان میں شعراء وادباء بھی تھے اور طلباء واساتذہ بھی۔ ان کی ایک خاصی تعداد پاکستان میں بھی پائی جاتی ہے۔ ان میں سے بعض قرآن وخدا پر براہ راست حملہ آور ہوتے ہیں۔ بعض شارحین مذہب یعنی علماء کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور بعض اوامر ونواہی میں سے بعض کی تحقیر کرتے ہیں۔

---

[1] یورپ میں اچھے لوگ اور مہذب گھرانے بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہاں کے معاشرہ پر ان کا اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔

کسی زمانے میں اسلام پر یونانی فلسفہ چھا گیا تھا۔ معتزلہ اسی فلسفے کی تخلیق تھے۔ تیسری صدی ہجری کے آغاز سے پانچویں صدی کے اختتام تک ذہن اس کی مضبوط گرفت میں رہے۔ یہاں تک کہ ہارون [1] اور مامون نے اسے مذہب سلطنت بنالیا اور امام احمد بن حنبلؒ (241ھ) کو آپ کے ہم خیالوں سمیت قید و بند کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ پانچویں صدی کے وسط میں طوس کے افق سے ایک ستارہ ابھرا، جس کی ضو سے عالم اسلام کے در و دیوار چمک اٹھے۔ نام تھا: ابو حامد احمد بن محمد بن محمد الغزالیؒ (505ھ-1111ء) اس نے علوم نبوی سے مسلح ہو کر فلسفۂ یونان پر اس زور سے حملہ کیا۔ ''تہافتہ الفلاسفہ'' کے عنوان سے وہ معرکہ آراء کتاب لکھی۔ اور نظام فلسفۂ پر وہ کاری ضرب لگائی کہ اس کا سر بفلک محل دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ آج پھر اسی نوع کا ایک فلسفہ دنیا سے اس کا خدا اور اس کے عقائد چھین رہا ہے۔ اس لیے آج پھر ایک غزالی کی ضرورت ہے؟

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

میرا خیال یہ ہے کہ آج کا غزالی اقبال کی شکل میں آ چکا۔ اس نے یورپ کی فکر و تہذیب کو وہ ضرب کلیمی رسید کی ہے کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ ہم لوگ اسی کے شارح و خوشہ چین ہیں۔ آج کی الحادی طاقتیں جہاں اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں۔ وہیں اسلام کے مفسر اقبالؒ کو بھی ختم کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اسلام کا آفتاب جہاں تاب ہمیشہ چمکتا رہے گا اور یہ خفاش صفت لوگ اسی طرح روپوش ہو جائیں گے۔ جس طرح کبھی معتزلہ غائب ہو گئے تھے۔

پچھلے پچاس ساٹھ سال میں دنیائے فکر نے بڑے بڑے زلزلے دیکھے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہر چھوٹا بڑا سائنس دان خدا کا منکر ہو گیا تھا۔ لیکن جوں جوں علم میں اضافہ

---

[1] ہارون (170_193ھ_786_809ء)۔ مامون (198-218ھ_813_833ء)

ہوتا گیا وہ عرفان بنتا گیا۔ انگلستان کا مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینز، جرمنی کا آئن سٹائن، روس کا ٹالسٹائے اور سینکڑوں دیگر طبیعی اس ذہنی انقلاب کی یادگار ہیں۔ دو حقیقتیں اتنی ظاہر و باہر ہیں کہ اُن پر پردہ ڈالنا ناممکن ہے۔ ایک اللہ، دوسرا خدا کا پیغام، پچھلے پچاس برس میں انسان ہزار ہا حقائق کو بے حجاب کر چکا ہے اور وہ دن بہت دور نہیں جب وہ اس حقیقت کو بھی پالے گا کہ اسلام اللہ کا وہ تجویز کردہ نظام ہے جو امن عالم کا ضامن اور فلاح آدم کا کفیل ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ۝۳۳

(التوبہ:33)

"اللہ وہ ہے۔ جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ہمراہ بایں مقصد بھیجا کہ اسے تمام دیگر ادیان و مذاہب پر غالب کرے۔ خواہ یہ چیز مشرکین کو کتنی ہی ناگوار گزرے۔"

عجب نہیں کہ مسلماں کو پھر عطا کر دیں
شکوہ سنجر و فقر جنید و بسطامیؒ

اقبالؒ

غلام جیلانی برق
کیمبل پور
آغاز تحریر: یکم جولائی 1974ء
تکمیل تحریر: 10/اپریل 1975ء

باب اول

الحادِ مغرب کا اثر مشرق پر

طبیعیات، ایجادات، تاریخی انکشافات اور جدید تحقیقات میں آج مغرب کو ساری دنیا کی قیادت حاصل ہے۔ جب کوئی قوم اس مقام پر پہنچ جاتی ہے تو دنیا اُس کی ہر ادا کو اپنانے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہر قوم مغربی تہذیب، لباس، علوم اور فکر کی گرویدہ ہو رہی ہے۔ ہم مغرب کی فلموں پر جان دیتے اور اس کے عریاں مصور رسائل کو انتہائی شوق سے پڑھتے ہیں۔ ہمارا ہر فیشن وہیں سے آتا اور ہر عقیدہ وہیں تیار ہوتا ہے۔ اگر وہ لوگ بال بڑھا کر دور وحشت کی طرف لوٹ جائیں۔ مذہب و معاشرہ کی تمام قیود کے خلاف بغاوت کر دیں، جنسی آزادی کا نعرہ لگا کر معاشرتی نظام کو تہ و بالا کر دیں، تو مشرق میں اُن کے لاکھوں مقلد پیدا ہو جائیں گے۔ جو بد عملی میں ان سے بھی دو چار قدم آگے ہوں گے۔

مغرب میں ملاحدہ کی کئی قسمیں ہیں۔

اول۔ یہ ہپی۔ جن کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے۔

دوم۔ وہ فلمساز اور مدیران رسائل جو خواتین کو ''آزادی نسواں'' کا فریب دے کر طوائف سے بدتر بنا رہے ہیں اور دنیا سے حیا، عصمت، ضبط نفس، شرافت اور اخلاق کا جنازہ نکال رہے ہیں۔ گھروں کا سکون درہم برہم کر رہے ہیں۔ لوگوں کو شرابی، افیونی اور چرسی بنا کر بیمار، کاہل اور ناکارہ بنا رہے ہیں۔

سوم۔ وہ ادیب جن کا بد آموز ادب تمام مجلسی و مذہبی روایات کے خلاف نفرت کی تعلیم دے رہا ہے۔

چہارم۔ وہ حکماء و فلاسفہ جو خدا کے منکر ہیں اور ان کی تحریرات دنیا کے ہر گوشے تک پہنچ چکی ہیں۔ میں یہاں انہی حکماء کے آراء و دلائل پر بحث کروں گا۔

حکمائے مغرب کے ملحدانہ افکار

مغرب کے ان حکماء جو خدا کو نہیں مانتے۔ ڈارون، ہکسلے، فرائیڈ اور کارل مارکس سر فہرست ہیں۔ ان کے افکار و دلائل کا ملخص یہ ہے۔

علم جدید: یہ لوگ کہتے ہیں کہ نئے علوم کی تجلیات نے پرانے مفروضوں اور نظریوں کو، خواہ وہ مذہبی تھے یا کائناتی، غلط ثابت کر دیا ہے۔ آج کا ذہن صرف اسی حقیقت کو تسلیم کر سکتا ہے جو مشاہدہ و تجربہ کے معیار پر پورا اترے۔ پرانے زمانے میں علم بہت محدود تھا۔ اس لیے انسان نے عجیب عجیب مفروضے قائم کر لیے تھے۔ جن میں سے ایک خدا کا عقیدہ تھا۔ لیکن علوم جدیدہ نے انسان کو ان اندھیروں سے نکال لیا ہے۔ جولین ہکسلے لکھتا ہے:

''نیوٹن [1] نے ثابت کر دیا ہے کہ کوئی ایسا خدا موجود نہیں جو ستاروں کی گردش کو کنٹرول کرتا ہو۔ علمی دنیا میں اب یہ عقیدہ عام ہو گیا ہے کہ نظام فلکی کو کسی خدا کی ضرورت نہیں رہی۔ ڈارون [2] اور پاسچر [3] نے یہی کام حیاتیات کے میدان میں کیا تھا۔ اور موجودہ صدی میں علم النفس کی ترقی اور جدید تاریخی معلومات نے خدا کو اس کے مفروضہ مقام سے ہٹا دیا ہے اور اب انسانی زندگی نیز تاریخ پہ اس کا کوئی کنٹرول نہیں رہا۔'' [4]

قوانین فطرت: نیوٹن کا نظریہ یہ ہے کہ '' کائنات پر نا قابل تبدیل قوانین کی حکومت ہے۔ ستاروں کی حرکت، موسموں کا تغیر، شب و روز کا اختلاف اور مرگ و حیات کا

---

[1] اسحاق نیوٹن (1642ـ1727ء) انگلستان کا ایک بلند پایہ ریاضی دان و فلسفی تھا۔ اس نے درخت سے ایک سیب کو گرتے دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا تھا کہ زمین ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

[2] ڈارون۔ پورا نام چارلس رابرٹ ڈارون (پیدائش 1809ء۔ وفات 1882ء) ایڈن برگ اور کیمبرج میں تعلیم پائی۔ یہ نظریہ ارتقاء کا موجد و شارح ہے اور بقائے اصلح کا قائل

[3] غالباً یہاں مراد لوئیس پاسچر ہے۔ یہ فرانس کا ایک طبیعی تھا۔ (پیدائش 1822ء۔ وفات 1895ء)

[4] (ملخص Religion without Revelations N. Y. 1958 ص 58)

سلسلہ انہی قوانین کے تحت قائم ہے۔ یہ قوانین فطرت کے نام سے مشہور ہیں۔ اگر خدا کی گنجائش نکل سکتی ہے تو صرف اس حد تک کہ وہ محرک اول تھا۔'' والٹیر ❶ کہتا ہے کہ ''کائنات میں خدا کا مقام اس گھڑی ساز کا ہے جو گھڑی بنانے کے بعد اس سے بے تعلق ہو گیا ہو۔'' اس کے بعد سکاٹ لینڈ کے مشہور فلسفی ڈیوڈ ہیوم ❷ (1711-1776ء) نے اس ''بے کار خدا'' کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ ہم نے گھڑیاں بنتی تو دیکھی ہیں۔ لیکن دنیائیں بنتی نہیں دیکھیں۔

آج جب طلوع و غروب آفتاب کا سبب (گردش زمین) ہمیں معلوم ہو گیا ہے تو پھر سورج کو نکالنے اور غروب کرنے کے لیے خدا کی کیا ضرورت ہے''۔ ❸

لاشعور: انسان کا ذہن دو حصوں میں منقسم ہے۔ شعور و لاشعور، انسان کے تمام خیالات، تجاویز اور تمنائیں شعور میں جنم لیتی ہیں۔ لیکن ان میں سے جو خواہشات پوری نہ ہو سکیں وہ لاشعور میں دفن ہو جاتی ہیں اور بعد ازاں مختلف خوابوں، عقیدوں اور امیدوں کو جنم دیتی ہیں۔ یہ جنت، اس کی حوریں، اس کے محل اور باغ انہی مدفون تمناؤں کا عکس ہیں۔ انسان کو جو چیزیں کوشش کے باوجود یہاں نہ مل سکیں وہ انہیں ایک خیالی دنیا میں تلاش کرتا ہے۔

خدا کا تصور: قدیم زمانے میں انسان کے پاس سیلابوں، بیماریوں اور آسمانی آفتوں سے بچنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ اس لیے اس نے اپنی تسکین کے لیے ایک ایسا خدا تراش لیا، جسے وہ مصیبت کے وقت بلا سکے۔ خدا کو بادشاہ ماننے کا عقیدہ بھی انسانی

---

❶ والٹیئر فرانس کا مشہور فلسفی تھا۔ (سال پیدائش 1694ء۔ وفات 1778ء) پیرس مولد۔ یہ ادیب، شاعر، افسانہ نگار، مؤرخ اور فلسفی تھا۔ انقلاب فرانس میں اس کی تحریروں کا بھی حصہ تھا۔

❷ ہیوم، ایڈنبرگ میں پیدا ہوا۔ تعلیم کے لیے فرانس بھی گیا تھا۔ اس کی تصانیف میں سے ''مقالۂ فطرت انسان''، ''اخلاقیات'' اور ''تاریخ انگلستان'' بہت مشہور ہیں۔

❸ (علم جدید کا چیلنج ص 71)

بادشاہت کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ہم نے اس مفروضے کو جزوایمان بنالیا ہے کہ خدا ارض وسما کا بادشاہ ہے۔ وہ نیکی پہ خوش ہوتا اور بدی پہ سزا دیتا ہے۔ زندگی کے تمام احوال وتغیرات اسی کی مرضی سے سرزد ہورہے ہیں اور انسان کی تقدیر مکمل طور پر اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

خدااور سوشلزم: سوشلسٹوں کے ہاں مذہب ایک تاریخی فریب اور سرمایہ داروں کے لیے آلۂ استحصال ہے۔ اس کی آڑ میں بورژوا غریبوں کا شکار کھیلتے ہیں۔ سوشلزم کے مفسراول نے اخلاق، عقائداور مذہب کو اقتصادی ناہمواری کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ مذہب جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی تخلیق ہے۔ چونکہ یہ نظام آہستہ آہستہ مر رہا ہے۔ اس لیے مذہب بھی ختم ہورہا ہے۔

1920ء میں کمیونسٹ لیگ کی سالانہ کانفرنس میں کہا گیا تھا: ''ہم خدا کو نہیں مانتے۔ ہم خوب جانتے ہیں، کہ پادری، زمیندار اور سرمایہ دار خدا کا نام اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے لیتے ہیں۔ یہ ایک ڈھونگ، دھوکہ اور فریب ہے۔ تاکہ کارکنوں اور کسانوں کے ذہنوں کو ماؤف کرکے ان کا استحصال کرسکیں۔'' [1]

ایک اور سوشلسٹ اپنی تصنیف ''بالشوزم'' میں خدا کے متعلق لکھتا ہے:

''دنیا میں استبداد کا سب سے بڑا اور پہلا حامی خود خدا تھا۔'' [2]

جواب ایں غزل

آپ نے ملحدین مغرب کے دلائل پڑھ لیے۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ ان میں کتنا وزن ہے۔

ملاحدۂ مغرب کی تعداد: یوں تو مغرب میں منکرین خدا کی تعداد کافی ہوگی۔ لیکن

[1] (ملخص لینن سیلیکٹڈ ورکس۔ ماسکو 1947ء۔ جلد 2 ص 667)

[2] (بحوالۂ اشتراکیت اور اسلام ص 138)

ان فلسفی ملاحدہ کی تعداد دو درجن سے زیادہ نہیں۔ جن کی تحریرات کا شانۂ مذہب پر بجلیاں برسا رہی ہیں۔ ان کے مقابلے میں وہ حکماء وفلاسفہ جو دنیا کو خدا و مذہب کی طرف بلا رہے ہیں۔ ایک ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ گریٹ ڈیزائن (Great Design) میں خدا و کائنات پر پندرہ بڑے بڑے حکماء کے مقالات ہیں۔ ''The Evidence of God in an expanding Universe'' میں چالیس سائینس دانوں نے خدا کی ہستی پہ دلائل پیش کئے ہیں۔ لنڈن کی رائل سوسائٹی نے خدا پر بارہ کتابیں لکھی تھیں۔ انگلستان کے اَوکسفرڈ گروپ نے ضرورتِ مذہب پر درجنوں کتابیں شائع کی ہیں۔ لنڈن کی ایک فرم رائڈر اینڈ کمپنی روحانیت، خدا اور مذہب پر بارہ سو سے زائد کتابیں نکال چکی ہے۔ فرانس، جرمنی اور امریکہ میں بھی مذہب پر بہت کام ہو رہا ہے۔

جب خدا و مذہب پر اتنا کچھ لکھا جا رہا اور ضمیر آدم کو بھی اللہ کے تصور کے بغیر چین نہیں مل سکتا تو پھر الحاد کی کامیابی کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔ ہر سوسائٹی میں عیاش واوباش تو ہوتے ہی ہیں۔ یہ لوگ مذہب کے ساتھ نہیں چل سکتے اور اپنے عقائد واعمال کی تائید میں ملاحدہ کے دلائل کا سہارا لیتے ہیں۔ اگر انہیں یہ علمی دلائل نہ ملیں تو بھی یہ خدا سے بھاگنے کی کئی اور راہیں نکال لیں گے۔ ان کا الحاد علم کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ عیاشی و بداخلاقی کا کرشمہ ہے۔

اسباب وعلل: کائنات کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض حکماء اس نیتجہ پہ پہنچے ہیں کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کے پیچھے اسباب وعلل کا ایک سلسلہ کارفرما ہے۔ اس لیے ان کی توجیہ کے لیے ایک نا قابل فہم خدا کی ضرورت نہیں۔ یہ قوانین واسباب خود واقعات کی توجیہ ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ قوانین کہاں سے آئے اور ان کا واضع کون تھا؟ یہ درست کہ پانی بادلوں سے برسا، بادل بخارات سے تعمیر ہوئے اور بخارات سورج کی تپش سے اٹھے، لیکن سورج ہوا اور سمندر کہاں سے آئے تھے؟ ہوا کو بادلوں کا مرکب کس نے بنایا

تھا؟ بخارات کو پانی بننا اور قطرہ قطرہ بن کر برسنا کس نے سکھایا تھا؟ زمین میں روئیدگی کی صلاحیت کس نے رکھی تھی؟ ننھے سے بیج کو کس نے درخت میں تبدیل کیا تھا۔ اور پھلوں میں ذائقہ، رس اور خوشبو کس نے ڈالی تھی؟ اشیائے علم (خواص، تاثیرات، ترکیب اور ہیئت کے علم) کو اشیاء کی توجیہ سمجھنا محض غلط فہمی و خود فریبی ہے۔ درست کہا تھا ایک طبیعی نے:۔

"Nature does not explain, she herself needs an explantion."

''کائنات اپنی توجیہ پیش نہیں کرتی بلکہ وہ خود محتاج توجیہ ہے۔''

یہ لوگ قوانین قدرت کو اندھی طاقتیں (Blind Forces) کہتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتاتے، کہ یہ اندھی طاقتیں راہ سے بھٹکتی کیوں نہیں! چڑیا کے انڈے سے کبوتر کیوں نہیں نکلتا اور کیکر کے ساتھ آم کیوں نہیں لگتے؟ سائنس دان شاید یہ تو بتا سکیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ کیوں ہو رہا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

(جاثیہ: ۲۴)

''وہ کہتے ہیں کہ زندگی لب گور تک ہے۔ ہماری حیات و موت کا سلسلہ یہیں ختم ہو جائے گا اور ہماری موت دہر (زمانہ، قوانین قدرت) کے ہاتھ میں ہے۔ انہیں حقیقت کا صحیح علم حاصل نہیں اور یہ اسیر ظن و تخمین ہیں۔''

حیات کے بنیادی مسائل: حیات کے بنیادی مسائل یہ نہیں کہ مختلف حیاتین کن کن امراض کا علاج ہیں؟ اچھی کار کون سی ہے؟ اور فاضل دولت کمانے کا طریقہ کیا ہے؟ بلکہ یہ ہیں کہ زندگی کا سفر کس منزل کی طرف ہے؟ وہاں انسان کا مقام کیا ہوگا؟ کیا اس سے آگے بھی کوئی منزل ہوگی؟ کیا وہاں بھی زندگی کے مدارج (اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ) ہوں گے۔

اگر ہوں گے تو اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟ زندگی کا انداز اور لذت والم کی نوعیت کیا ہوگی؟ مغرب نے ابھی تک ان سوالات پر غور ہی نہیں کیا اور اس لیے وہ ان کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ اگر ایک مسافر کو اپنی منزل ہی معلوم نہ ہو۔ تو وہ نہ تو سمت کا تعین کر سکے گا اور نہ موزوں سامان سفر ساتھ رکھ سکے گا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ زندگی میں حرکت ہے اور وہ کسی منزل کی طرف رواں ہے۔ لیکن اس منزل کا پتہ صرف ان عظیم ہستیوں سے مل سکتا ہے۔ جن کا رابطہ زمین و آسمان ہر دو سے قائم تھا جو خدا کی بات اس کے بندوں کو سناتے تھے اور جن کی نگہ رسا کے سامنے کائنات کا کوئی راز راز نہ تھا۔ عرف عام میں ان ہستیوں کو انبیاء کہتے ہیں۔ یہ خیر و شر کی تمام تفاصیل سے آگاہ تھے۔ یہ حیات کے استحکام، بقائے دوام اور امن و سکون کے جاننے والے تھے۔ یہ اس فلسفہ و حکمت کی تعلیم دیتے تھے جو انسان کو جلیل و جمیل بناتی ہے اور اہل زمین کا رابطہ آسمان والوں سے قائم کرتی ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾

(النساء: ۱۷۴-۱۷۵)

"اے لوگو! ہم نے رسول کی وساطت سے تمہیں ایک محکم نظام حیات، برہان اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی روشنی (قرآن) عطا کی ہے۔ پس جو لوگ اللہ پہ ایمان لانے کے بعد اس تعلیم کا سہارا لیں گے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت سے نوازے گا۔ اور اللہ تک پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا۔"

انسان کی منزل اللہ ہے اور اس منزل تک وہ محبت، خدمت، علم، عبادت، ایثار، ضبط نفس، تواضع اور دیگر محاسن ہی سے پہنچ سکتا ہے۔ ان محاسن کی مکمل فہرست صرف انبیاء سے

مل سکتی ہے۔حکماء کی تیار کردہ فہرستیں ناقص ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے کہ زندگی انبیاء کی وساطت کے بغیر ایک قدم آگے نہیں چل سکتی تو پھر مذہب سے انحراف اور خدا اور رسول کے انکار کا مطلب؟

تسلیم! کہ مغرب نے دنیائے عناصر میں بہت کام کیا ہے۔قدرت کی سرکش طاقتوں کو مسخر کر کے انسان کی خدمت پہ لگا دیا ہے اور اس کی گاڑیاں چاند تک جا پہنچی ہیں۔لیکن دوسری طرف اس نے عیاشی ناؤنوش ،جنسی آزادی اور مذہب سے بغاوت کا درس دے کر انسان کو اللہ سے بمراحل دور اضطراب کے جہنم میں پھینک دیا ہے۔تعلیم انبیاء سے فرار کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں۔صرف ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔

انبیاء نے ازدواجی زندگی کو پرسکون اور خوشگوار بنانے کے لیے نکاح کی تعلیم فرمائی۔ یہ ایک طرح کا معاہدہ ہے۔جس کی رو سے زن وشوہر پر کچھ قیود لگ جاتی ہیں۔

شوہر کی قیود یہ ہیں:۔

ا۔ کہ وہ بیوی کا وفادار رہے۔

ب۔ غیر عورت کو میلی نظر سے نہ دیکھے۔

ج۔ اہل وعیال کی تمام ضروریات پوری کرے۔

د۔ اور کسی قومی مجبوری کے بغیر دوسرا نکاح نہ کرے۔

اور بیوی کی یہ:۔

ا۔ کہ وہ خاوند کی وفادار رہے۔

ب۔ کسی غیر محرم سے تعلق قائم نہ کرے۔

ج۔ اور بچوں کی پرورش میں شوہر سے تعاون کرے۔

فرض کیجئے کہ لنڈن کے باشندے رسم نکاح کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ لازماً عواقب ذیل کا شکار ہوں گے۔

ا۔ ممکن ہے کہ جم کی خوبصورت داشتہ کل بم کے پاس چلی جائے اور پرسوں ٹم کے پاس۔ وہ جسے بھی چھوڑ کر جائے گی وہ انتہائی اضطراب کا شکار ہو جائے گا۔ مغرب میں ہر روز کئی سو افراد خودکشی کرتے ہیں۔ ان کی ایک وجہ ان داشتاؤں کی ہرجائیت ہے۔

ب۔ ان داشتاؤں کے بچے، جو سرکاری پرورش گاہوں میں پلیں گے۔ جم، ٹم اور بم سب کی وراثت سے محروم ہو جائیں گے۔ ایسا احمق باپ کہاں سے ملے گا جو ایک آوارہ عورت کی نا تحقیق اولاد کو اپنی دولت میں شامل کر لے؟

ج۔ یہ بچے نہ صرف والدین کے فیض تربیت سے محروم ہو جائیں گے۔ بلکہ اغلب یہی ہے کہ وہ ناہموار کردار اور بیمار ذہنیت کی وجہ سے جرائم پیشہ بن جائیں گے۔

د۔ عورت کا احترام ختم ہو جائے گا اور ہر عورت یا تو گشتی کہلائے گی یا خانگی۔

ہ۔ عائلی زندگی کی راحتیں عنقا ہو جائیں گی اور گھر والے اس راحت و مسرت سے محروم ہو جائیں گے جو معصوم بچوں کی فردوسی مسکراہٹوں سے جنم لیتی ہے۔ میں تو ایسے گھر کے تصور ہی سے کانپ اٹھتا ہوں۔ جو ماں کی محبت، بیوی کی خدمت و رفاقت اور بچوں کی چلبلاہٹ سے محروم ہو۔ مغرب کی جنسی آزادی نے وہاں اندازاً چالیس فیصد گھروں کو ایسے ویرانوں میں بدل دیا ہے۔ جہاں نہ کوئی بچہ نظر آتا ہے اور نہ ماں۔ ایک اور دستور یہ چل پڑا ہے۔ کہ جوان بچے ضعیف ماں باپ کو دھکیل کر سرکاری ضعیف خانوں میں چھوڑ آتے ہیں۔ جہاں وہ تنہائی، اولاد کی جدائی اور آلام پیری میں سسک سسک کر دم توڑ دیتے ہیں اور ان کی باغی اولاد ان کی خبر تک نہیں لیتی۔ والدین کی یہ تذلیل اور بڑھاپے کی یہ تحقیر ان ممالک میں ہو رہی ہے جو اپنی تہذیب پر بہت نازاں ہیں۔

جنسی آزادی، بے حیائی، عریانی نائونوش کے علاوہ وہاں ایک اور وبا بھی پھوٹ

پڑی ہے جسے لواطت کہتے ہیں۔ انگلستان کی پارلیمان نے حال ہی میں اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے۔ نگاہوں میں تقدس اور اعمال میں پاکیزگی مذہب سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہ رہے تو لواطت جیسا ذلیل فعل بھی نیکی نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر انون کی تحقیق: کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ڈی۔ انون (J. D. Unwin) نے جنسیات پر طویل ریسرچ کے بعد ایک کتاب ''Sex and Culture'' کے نام سے لکھی تھی۔ اس کا ملخص یہ کہ جنسیات اور تہذیب کا بہت گہرا تعلق ہے۔ جو قوم نفس پہ ضبط نہیں رکھتی۔ اور تسکین ہوس کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ وہ عواقب ذیل کا شکار ہو جاتی ہے:۔

اول: اس کی جسمانی توانائی کم ہو جاتی ہے۔ وہ تھکی سی محسوس ہوتی اور مشکل کاموں سے گھبرانے لگتی ہے۔

دوم: اس کی قوت فکر و عمل گھٹ جاتی ہے۔ (یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ ضبط نفس سے انسان کی جذباتی توانائی بڑھ جاتی ہے۔ قوت عمل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور تہذیب چمک اٹھتی ہے۔)

جو قوم جنسی اختلاط کی کھلی اجازت دے دیتی ہے۔ اس کے پاس رومیوں کی طرح کسی اور کام کی ہمت نہیں رہتی۔ اور وہ جلد مر جاتی ہے۔

الہام کی عجیب توجیہ: ملاحدۂ مغرب کا خیال یہ ہے کہ بچپن اور بعد کی دبی ہوئی خواہشات کسی غیر معمولی واقعہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں اور دبے ہوئے خیالات بڑبڑاہٹ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جنہیں کمزور عقیدہ کے لوگ نبوت یا الہام سمجھنے لگتے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ بچپن اور جوانی کی خواہشات عموماً اتنی ناپاک وقبیح ہوتی ہیں کہ بڑوں کا خوف ان کی تکمیل میں حائل ہو جاتا ہے۔ اور وہ دب جاتی ہیں۔ اگر انبیاء کا الہام انہی خواہشات کا اظہار ہوتا تو ہر نبی عریانی وفحاشی کا مبلغ ہوتا اور ان کے الہامات میں بلا کی

پاکیزگی، بلندی، حکمت اور دانش نہ ہوتی۔ دیکھئے یہ چند آیات۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ .... ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳-۳۹)

''تمہارے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اور والدین کی خدمت کرو۔ اگر ماں، باپ میں سے ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو ان کے سامنے نہ اُف کرو، نہ انہیں جھڑکو۔ بلکہ نہایت ادب اور شائستگی سے بات کرو۔ ان کے سامنے از راہ انکسار جھک جاؤ اور دعا مانگو کہ اے رب تو ان کی اسی طرح تربیت کر۔ جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا تھا...... رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرو اور اسراف سے بچو کہ بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان رب کا نافرمان ہے...... تم نہ تو بخل سے کام لو اور نہ اسراف سے۔ ورنہ درماندہ ہو کر رہ جاؤ گے اور لوگ ملامت کریں گے...... تم بھوک کے ڈر سے اولاد کو ہلاک نہ کرو کہ انہیں نیز تمہیں ہم رزق دیتے ہیں۔ انہیں ہلاک کرنا بڑا گناہ ہے۔ فحش کاری کے قریب نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی کا برا راستہ ہے۔ کسی کو قتل نہ کرو۔ اگر کوئی شخص بے وجہ مارا جائے تو اس کے وارثوں کو قصاص لینے کا حق حاصل ہے۔ بشرطیکہ وہ زیادتی نہ کریں۔ اللہ ان کی مدد کرے گا۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ۔ اسے اس کی بہتری (تعلیم و تربیت) پہ خرچ کرو۔ اور جب وہ جوان ہو جائے تو اس کے حوالے کر دو۔ وعدوں کو پورا کرو کہ ہم وعدوں کے متعلق باز پرس کریں گے۔ جب کوئی چیز تولو، تو صحیح ترازو سے پوری پوری تولو کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ جس بات کا یقینی علم حاصل نہ ہو۔ اس پر عمل نہ کرو کہ ہم کان، آنکھ اور دل کے متعلق تمہارا محاسبہ کریں گے۔ زمین پہ اکڑ کر نہ

چلو کہ تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکو گے...... دانش وحکمت کی یہ باتیں اللہ نے بذریعہ وحی تم پر نازل کی ہیں۔ کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ ورنہ ذلت کے ساتھ جہنم میں پھینک دیے جاؤ گے۔"

ان ہدایات کو پھر پڑھیئے اور انصافاً فرمایئے کہ کیا یہ کسی پاگل کی بڑ ہیں یا حکمت و دانش کے وہ جواہر پارے، جن پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ عظمت، مسرت اور فلاح ونجات ہے۔ انہیں کسی جنس زدہ نوجوان کی ناپاک خواہشات کا اظہار قرار دینا جہالت وحماقت کی انتہا ہے۔

مارکسی نظریۂ تاریخ ومذہب

مارکس کا نظریہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ اقتصادی حالات ہی وہ عوامل ہیں جو انسانی تاریخ، مذہب اور کردار کی تشکیل کرتے ہیں۔ مذہب جس زمانے میں پیدا ہوا۔ وہ سرمایہ داری، جاگیرداری اور شخصی استبداد کا زمانہ تھا۔ مذہب اسی ماحول میں ڈھل کر نکلا اور اسی لیے اس نے ہمیشہ سرداروں، جاگیرداروں اور فرماں رواؤں کا ساتھ دیا۔

اس نظریہ کی بنیاد تین مقدمات پر ہے:

اول: کہ اقتصادی عوامل تاریخ وکردار کی تشکیل کرتے ہیں۔

دوم: مذہب سرمایہ دارانہ نظام کی تخلیق ہے۔

سوم: اس نے ہمیشہ سرمایہ داروں کا ساتھ دیا۔

آیئے دیکھیں کہ یہ تجزیہ کہاں تک درست ہے۔

اول۔ تاریخ انسانی کو صرف اقتصادی عوام کی تخلیق کہنا درست نہیں، یہ درست کہ رومیوں، یونانیوں اور تاتاریوں کی مہمات کا اصل سبب ہوس سیم وزر اور شوق ملک گیری تھا۔ لیکن تاریخ کے بڑے بڑے انقلاب انبیاء نے بھی اٹھائے تھے۔ ان مقدسین نے کہیں آگ میں جل کر کہیں سولی پہ چڑھ کر اور کہیں تلوار کے نیچے نوع انسان کو اللہ کی طرف

بلایا تھااور تاریخ کا رخ بار بار تبدیل کیا تھا۔ اگر آج دنیا میں خدا و اخلاق حسنہ کا کوئی تصور موجود ہے تو وہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

ان کوششوں کو اقتصادی عوامل کی تخلیق سمجھنا سراسر غلط ہے۔ ان کا باعث ایک آسمانی جذبہ اور ایک شدید اضطراب تھا۔ جس کی تسکین ابن آدم کی فلاح و نجات ہی سے ممکن تھی۔ ان کی زندگیاں خدمت انسان کے لیے وقف تھیں۔ یہ لوگ اللہ کے لیے جیئے اور اسی کی راہ میں جان بھی دی۔ (صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین)

دوسرا اور تیسرا مقدمہ یہ تھا کہ مذہب سرمایہ دارانہ نظام کی تخلیق ہے اور اس نے ہمیشہ سرمایہ داروں کا ساتھ دیا ہے۔

اشتراکیوں نے یہ غلط ملط دعوے تو کر دیئے لیکن اپنی تائید میں کوئی دلیل یا تاریخی شہادت پیش نہ کر سکے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ لاکھوں پادریوں میں سے کسی ایک نے فلاں زار یا قیصر کی ہوسنا کی کو درست قرار دیا تھا، کافی نہیں۔ اس سے اُس پادری کا گھٹیا پن تو ثابت ہوتا ہے۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس تعلیمات پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اگر کوئی مسلمان چوری کر بیٹھے تو کیا آپ اسلام کو ذمہ دار قرار دیں گے؟ مذہب کیا ہے؟ گناہ، استبداد، آمریت، استحصال، بددیانتی، کذب و فریب، ناونوش، عیاشی، قمار بازی، حرام خوری و حرام کاری کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بددیانت، خائن، اور عیاش سلاطین نے جو مذہب کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے مبلغین مذہب، کو سدا المناک سزائیں دیں۔ کسی کو زہر دیا، کسی کو قتل کیا، کسی کو دار پہ چڑھایا اور کسی کو آگ میں پھینکا۔ اگر مذہب سرمایہ کی تخلیق یا اس کا معاون ہوتا تو سرمایہ دار ایسا کیوں کرتے؟ ذرا ان احکام پر نظر ڈالیے:۔

''جب تم اپنی فصل کاٹو یا انگور چنو تو کچھ غریبوں اور مسافروں کے لیے بھی چھوڑ دو۔ تم نہ چوری کرو۔ نہ دغا دو۔ نہ جھوٹ بولو اور نہ جھوٹی قسم کھاؤ۔ پڑوسی پہ ظلم نہ

کرو۔ نہ اسے لوٹو۔ مزدور کی مزدوری اگلی صبح تک پاس نہ رکھو۔ فیصلوں میں کسی کی رعایت نہ کرو۔ کسی سے بغض نہ رکھو۔ ہمسایہ سے محبت کرو۔ تم اپنے باغوں کا پھل تین سال خود کھاؤ اور چوتھے برس غریبوں کے لیے وقف کر دو۔ بوڑھوں کا ادب کرو۔ پردیسی کو سکھ پہنچاؤ۔ باٹ اور ترازو ٹھیک رکھو۔ والدین کی خدمت کرو۔ زانی اور زانیہ دونوں کو قتل کر دو۔'' ❶

حضرت داؤد علیہ السلام کے ارشادات:۔

''مبارک ہے وہ آدمی جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا اور خداوند کی شریعت پر دھیان رکھتا ہے۔ وہ اس درخت کی طرح شاداب و سبز رہے گا۔ جو کسی ندی کے کنارے لگایا گیا ہو اور شریر بھوسے کی مانند اُڑ جائیں گے۔ زمین کے بادشاہ مشورہ کر کے صادقوں پر چوٹیں لگاتے اور ان کے بندھن توڑتے ہین۔ لیکن وہ یاد رکھیں کہ آسمانی بادشاہ ان کا مضحکہ اڑائے گا۔ خدا کو سب بدکرداروں سے نفرت ہے۔ وہ صرف صادق کو برکت دیتا ہے اور ظالم کا ظلم اس کی اپنی کھوپری پر نازل ہوتا ہے۔ شریر صادقوں پر تیر چلاتے ہیں اور اللہ ان شریروں پر آگ اور گندھک برساتا ہے۔ خداوند کی تعظیم و تمجید کرو۔ اس کی آواز بادلوں پر ہے۔ وہ گرجتا بھی ہے۔ اس کی آواز میں جلال و ہیبت ہے۔ وہ لبنان کے دیوداروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اس کا تخت طوفانوں پر بچھا ہوا ہے۔ اس لیے ہر وقت خداوند کو یاد کرو تا کہ وہ تیرے آگے پیچھے خیمہ زن ہو جائے۔ مت بھولو کہ خدا عاجزوں، مسکینوں اور شکستہ دلوں کے قریب رہتا ہے۔'' ❷

حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات:

---

❶ تورات (احبار) باب 19۔20

❷ زبور۔ متفرق مقامات

''مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کہ وہ تسلی پائیں گے۔مبارک ہیں ہو جو حلیم ہیں کہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔مبارک ہیں وہ جو رحمدل ہیں، کہ ان پر رحم کیا جائے گا۔اپنے لیے زمین پہ مال جمع نہ کرو۔ بلکہ آسمان پہ جمع کرو۔کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا۔پس تم خدا اور دولت دونوں سے پیار نہیں رکھ سکتے۔'' ❶

فیصلہ قرآن: رہا قرآن مجید تو اس میں تقریباً اسّی مرتبہ زکوٰۃ، صدقہ، انفاق اور غریبوں کو اپنی کمائی میں شریک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾ (الذّٰریٰت: ۱۹)

''مسلمانوں کی کمائی میں سائل ومحروم کا بھی حق ہے۔''

ذرا اس تنبیہ پر غور فرمایئے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٤﴾ يَّوْمَ يُحْمٰي عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰي بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾ (توبہ: ۳۴-۳۵)

''جو لوگ سیم وزر جمع کرتے اور اسے اللہ کی راہوں میں خرچ نہیں کرتے۔انہیں ایک دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔وہ دن جلد آرہا ہے۔جب ان سکوں کو نارجہنم میں تپا کر اُن کے ماتھوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔اور کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہاری جمع کردہ دولت۔ذرا اس دولت کا مزہ چکھو۔''

اور یہ مکالمہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔اہل جنت دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تم کس جرم کی پاداش میں یہاں لائے گئے ہو تو وہ:

---

❶ انجیل متی۔متفرق مقامات

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾

(مدثر: ۴۳،۴۴)

''کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور غریبوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔''

اللہ نے مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ وہ اپنی فاضل دولت اللہ کے حوالے کر دیں۔

قُلِ الْعَفْوَ ط (بقرہ: ۲۱۹)

تو یہ تھے چند دینی احکام۔ کیا ان سے استبداد، سرمایہ داری اور استحصال کی کسی طرح سے بھی تائید ہوتی ہے؟ اگر روس کے اہل علم مذہب کی طرف تھوڑی سی توجہ بھی دیتے تو ان کا ردعمل قطعاً مختلف ہوتا۔ انہیں ہر مذہب اور خصوصاً اسلام میں اپنے نظریات کی تائید مل جاتی اور ان کے ناشاد قلوب میں وہ اضطراب نہ ہوتا جو اللہ سے کٹ جانے کے بعد پیدا ہوا ہے۔ اشتراکیوں کا نعرہ تو یہ تھا کہ وہ بہت جلد روس کو امن و سکون کی جنت بنا دیں گے۔ وہاں اشتراکی نظام قائم ہوئے آج (1975ء) اٹھاون برس ہو چکے ہیں اور پوری دو نسلیں کام کرتے کرتے مر گئی ہیں۔ لیکن وہاں کے لوگ اس ''جنت'' سے بمراحل دور ہیں اور اتنے تنگ ہیں کہ اگر برلن [1] کی دیوار گرا دی جائے تو روسی حصے کے بیشتر باشندے دوسری طرف بھاگ جائیں۔ اسی طرح اگر یورپ کی مشرقی ریاستوں (رومانیہ، ہنگری، سرویہ، پولینڈ وغیرہ) کو اپنا نظام خود تشکیل کرنے کی اجازت دی جائے تو شاید نیا نظام معرض وجود میں آ جائے۔

1918ء کے انقلاب میں لینن نے تمام وسائل دولت (زمین، کارخانہ وغیرہ) کو قومی ملکیت میں لے لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جب مزدور اور کسان کو اس کی محنت کا پورا معاوضہ نہ

---

[1] دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی کو شکست ہوئی تو برلن کے کچھ حصے پر روسی قابض تھے اور باقی ماندہ امریکہ کے قبضے میں تھا۔ روسی حصہ آج تک روس کے قبضے میں ہے اور اسے برلن کے باقی حصوں سے ایک دیوار الگ کرتی ہے پچھلے 29 سال میں ہزارہا آدمی روس کے حصے سے بھاگتے وقت گولی کا شکار ہوئے۔

ملا۔ تو وہ محنت سے دل برداشتہ ہو گیا۔ اور پیداوار گھٹنے لگی۔ چنانچہ انتظامیہ نے 1940ء سے ذرا پہلے ہر کسان کو دو فیصد زمین کا مالک بنا کر یہ حق دے دیا کہ وہ اس کی پیداوار کو جہاں چاہے، خرچ کرے۔ اس اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کی چھیاسٹھ فیصد غذائی ضروریات اس دو فیصد زمین سے پوری ہونے لگیں۔ 1961ء کے اعداد یہ ہیں:

جنس	اجتماعی رقبہ 98 فیصد	نجی رقبہ 2 فیصد
آلو	3 کروڑ ٹن	5 کروڑ ٹن
گوشت	48 لاکھ ٹن	39 لاکھ ٹن
دودھ	3 کروڑ ٹن	2 کروڑ پچاسی لاکھ ٹن
انڈے	6 ارب 30 کروڑ	23 ارب

(علم جدید ص 44-243)

آج سے چند سال پہلے روس نے نجی ملکیت کو دو سے بڑھا کر چار فیصد کر دیا اور یوں اس کی پیداوار میں خاصہ اضافہ ہو گیا ہے۔

تشدد: ملاحدہ، باقی مذاہب پہ عموماً اور اسلام پہ خصوصاً یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ بزور شمشیر پھیلا تھا۔ چلئے۔ ہم ایک لمحہ کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہ ایران، عراق، شام اور مصر میں اسلام تلواروں کے جلو میں گیا تھا۔ لیکن انڈونیشیا، بورنیو، چین اور بحرالکاہل کے جزائر میں تو ہماری تلوار نہیں پہنچی تھی۔ وہاں 18 کروڑ مسلمان کہاں سے آ گئے؟ تاریخ بتاتی ہے کہ وہاں اسلام کا پیغام چند ایسے سیاحوں اور سوداگروں کی وساطت سے پہنچا تھا۔ جن کے پاکیزہ اخلاق، بلند نظریات اور روشن چہروں کو دیکھ کر وہ لوگ بے ساختہ بول اٹھے تھے۔ کہ یہ نور کسی جھوٹے کے چہرے پہ نہیں ہو سکتا۔

گذشتہ جنگ عظیم (1939ئ۔1945ئ) میں چھ کروڑ سے زیادہ آدمی ہلاک، برباد اور زخمی ہوئے تھے۔ دوسری طرف حضور ﷺ نے قیام مدینہ کے دس سال میں مختلف

بلاد وقبائل کی طرف 87 جنگی وتبلیغی مہمات بھیجی تھیں۔ چھبیس میں خود بھی شامل ہوئے تھے۔ بایں ہمہ شہدا، ومقتولین کی تعداد صرف1018 تھی:۔❶

مسلمان	۔	259
کفار	۔	759
میزان	۔	1018

رہا اشتراکی روس۔ تو وہاں کے حالات پر درجنوں کتابیں اور رپورٹیں نکل چکی ہیں۔ ان میں سے ایک مسٹر جان وائین ہرڈ کی ہے۔ یہ روس میں تیس سال رہا تھا اور اس کی رپورٹ ڈیلی گزٹ۔ کراچی کی اشاعت 6/5۔ جون 1934ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ لکھتا ہے کہ لینن اور اس کے بعد سٹالن نے پہلے دس برس میں اندازاً 16 لاکھ افراد کو اس بنا پر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا کہ یہ لوگ اشتراکیت کے قائل نہ تھے۔ تفصیل یہ ہے۔

پادری	۔	1591
جج اور وکلائی	۔	34585
اساتذہ وطلبہ	۔	16367
سول حکام	۔	79900
امرائ	۔	65890
فوجی افسر	۔	56340
مزدور	۔	196000
سپاہی اور جہاز ران	۔	268000
کسان	۔	890000
❷میزان	۔	1608673

---

❶ اسلام واشتراکیت ص231

❷ بحوالہ اسلام واشتراکیت ص228

فرمائیے! اپنے نظریات کو پھیلانے کے لیے تشدّد کس نے کیا؟ اسلام نے یا آپ نے؟ اس بربریت اور درندگی کی وجہ اقبالؒ نے یوں بیان کی تھی:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہ اللہ کی مہیب طاقت کا خوف، اس کی قوّتِ انتقام کا ڈر اور نظریۂ مکافاتِ عمل پہ یقین ہی ہے جو انسان کو ظلم سے روکتا ہے۔ اگر یہ خوف ویقین نہ رہے تو پھر انسان چیتے سے زیادہ تُند، سانپ سے زیادہ زہریلا اور خنزیر سے زیادہ ناپاک ونجس بن جاتا ہے۔

ایمان بالغیب

منکرینِ مغرب خدا کو اس لیے نہیں مانتے کہ وہ نظر نہیں آتا۔ لیکن دوسری طرف وہ درجنوں نادیدہ حقائق پہ یقین رکھتے ہیں۔ مثلاً کششِ ارضی، ایٹم، بجلی کے مثبت ومنفی ذرّات، اِرتقائ، روح، زمانہ، مستقبل وغیرہ۔

سیب کو گرتے دیکھ کر نیوٹن کو یہ گماں گزرا کہ شاید زمین نے اسے کھینچا ہے اس پر اس نے نظریۂ کشش کا اعلان کر دیا اور سائنس کی دنیا نے اسے جزوِ ایمان بنا لیا۔ لیکن بادلوں سے پانی اور سورج سے نور برستا دیکھ کر اسے خدا کا خیال نہ آیا، نہ اس کے ذہن میں یہ سوالات کبھی ابھرے کہ خلا میں ستاروں کے کروڑوں قمقمے کس نے لٹکائے ہیں؟ لاتعداد آفتابوں اور مہتابوں کو روشنی کس نے دی ہے؟ زمین کا محرک کون ہے؟ یہ ان گنت پرندے مویشی اور حشرات کہاں سے آئے ہیں؟ پھل کس نے لگائے ہیں اور پھول کس نے کھلائے ہیں؟

حقیقت صرف وہی نہیں جسے ہم محسوس کر سکیں بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کچھ حقائق ایسے بھی ہیں جنہیں ہم غور وفکر، تحقیق، قرائن اور وِجدان سے معلوم کرتے ہیں۔ دور کیوں جائیں ذرا اپنے نظامِ جسمانی کو دیکھئے کہ کس طرح غذا خون بن کر جسم کے ہر حصے تک جا رہی ہے۔ دل، پھیپھڑے، جگر، تلی اور گردوں کی پیچیدہ مشینری کس صحت سے کام کر

رہی ہے۔ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور عقل سوچ رہی ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ جسم کی ان مشینوں کو کون چلا رہا ہے؟ قانونِ فطرت؟ وہ تو ایک بے جان چیز ہے۔ اس میں یہ اہلیت کہاں کہ وہ فکر ونظر جیسی اشیاء کی تخلیق کر سکے۔ ہمارے سامنے درجنوں قوانین اور ان کے ضابطے موجود ہیں۔ مثلاً ملک کا قانون (آئین) فوجداری و دیوانی قانون، ریل، ڈاک، اسلحہ، بیمہ، بینکنگ اور بیع وشراء کا قانون۔ کیا ان میں سے کوئی ایک قانون بھی موجد وخالق ہے؟ اگر نہیں تو پھر قانونِ فطرت کو ہم کائنات کا خالق کیسے تسلیم کر لیں؟

ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو اس لیے تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس سے بعض تغیرات کی توجیہ مل جاتی ہے۔ لیکن اگر انہیں کہا جائے کہ خدا کو تسلیم کر لو تا کہ تمہیں کائنات کے ہر تغیر کی توجیہ مل جائے اور حتماً معلوم ہو جائے کہ موسموں، انسانی شکلوں، زبانوں، پھولوں اور پھلوں میں اختلاف کیوں ہے؟ پہاڑ کہاں سے آئے، سمندر کس نے بنائے اور خلاؤں میں کروڑوں آفتاب کہاں سے آگئے؟ تو یہ بھاگ نکلتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝٣٢ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝٣٣ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝٣٤ (ابراھیم: ۳۲-۳۴)

"اللہ وہ ہے۔ جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ آسمان سے پانی برسا کر درختوں کے ساتھ پھل لگائے، جو تمہارا رزق ہیں۔ اس نے کشتیوں کو جو اللہ کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں، تمہاری خدمت پر لگایا۔ دریاؤں کو تمہارا خادم بنایا۔ شمس وقمر

کو جو خلاؤں میں گرم سفر ہیں نیز لیل ونہار کو تمہاری خدمت پہ لگا یا۔ الغرض تمہیں ہر وہ چیز دی۔ جو تم نے مانگی۔ اگر تم اللہ کے انعامات کو گننے لگو۔ تو شاید یہ گنتی کبھی بھی ختم نہ ہو۔''

انیسویں صدی کے کتنے ہی نظریات وانکشافات ہیں۔ جنہیں اس صدی کے علمائے طبیعی نے صرف اس لیے مسترد کر دیا کہ یہ بعض مظاہر کی توجیہ میں ناکام ہو گئے تھے۔ تو کیا ہم ملاحدۂ مغرب کے افکار کو اس بنا پر مسترد نہیں کر سکتے کہ یہ پوری کائنات کی توجیہ میں ناکام ہو گئے ہیں؟

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
جو قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات (اقبالؒ)

موت کے بعد

مغرب کے بعض مفکّرین کا خیال یہ ہے کہ زندگی تالبِ گور ہے۔ اور اس سے آگے کسی نوع کی کوئی زندگی نہیں۔ اگر ہے بھی تو اس کا علم صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی شخص مرنے کے بعد واپس آئے اور ہمیں وہاں کے حالات سے آگاہ کرے۔ چونکہ ایسی صورت کا وقوع بعید از قیاس ہے۔ اس لیے آخرت کے متعلق ہمارا علم سماعی، غیر حقیقی اور نا تجرباتی ہے۔ آخرت کا تصوّر ان ناکام لوگوں کی ایجاد ہے۔ جو اس زندگی کی مشکلات پہ غالب نہ آ سکے اور ان منازل کو نہ پا سکے جن کی انہیں تمنا تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنی تسکین کے لیے عقیدہ جنّت تراش لیا۔ یہ ہے ان لوگوں کا انداز فکر، جو مذہبی ڈسپلن (قیود) سے گریزاں اور ایک آزاد و بے قید زندگی کے طالب ہیں۔ ان کی زِمام اختیار خواہشات کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ خواہشات کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ اس لیے یہ لوگ ان کے

تعاقب میں شب وروز سرگرداں رہتے ہیں اور انہیں سکون نصیب نہیں ہوتا۔ دوسری طرف ایک پیرو مذہب کی نظر اس منزل پہ رہتی ہے۔ جہاں حیات نے اس خاکداں سے آزاد ہونے کے بعد جانا ہے اور وہ چھوٹی موٹی دلکشیوں کی طرف راغب ہی نہیں ہوتا۔ اسے جائز وناجائز کا خیال بھی رہتا ہے اور اس لیے یہ ہر خواہش کا تعاقب نہیں کرتا اور یوں اضطراب سے محفوظ رہتا ہے۔

عدل: عدل کا ایک مفہوم ہے: تلافی، مافات۔ یعنی نقصان کو پورا کرنا۔ اس عدل کے بے شمار مناظر ہمارے سامنے ہیں۔ جب ہم کسی درخت کی شاخیں کاٹ دیتے ہیں تو نئی شاخیں ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ جب ہم کسی جنگل کا کوئی ٹکڑا درختوں سے صاف کر دیتے ہیں تو وہاں نئے پودے اور بوٹیاں اُگ آتی ہیں۔ جب تلوار وغیرہ سے کسی حصہ جسم کا گوشت کٹ جاتا ہے تو قدرت نیا گوشت بھر دیتی ہے۔ ہم کنوئیں سے کتنا ہی پانی نکالیں، زمین کی رگوں سے اتنا ہی پانی اس میں آجاتا ہے۔ یہ ہے عدل جو حیات کے ہر شعبے میں پایا جاتا ہے اور جس پر ارض وسماء کا نظام قائم ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ (رحمان: ۷)

''اللہ نے آسمانوں کو بلند کرنے کے بعد ان میں نظام عدل (توازن) قائم کر دیا ہے۔''

اسی عدل کا تقاضہ ہے کہ جب ہم سے یہ دنیا چھن جائے تو ہمیں ایک اور ایسی دنیا ملنی چاہیے جہاں اس زندگی کی تمام ناانصافیوں کی تلافی ہو جائے۔ انسانیت کے سب سے بڑے محسن انبیاء تھے۔ انہوں نے انسان کو راہ راست دکھانے اور پنجۂ استبداد سے چھڑانے کے لیے بے اندازہ مصائب اٹھائے۔ کوئی سپرد دار ہوا اور کوئی سپرد نار۔ اس زندگی کی نعمتوں میں سے انہیں کچھ بھی نہیں ملا۔ فرعون ونمرود اپنے عالیشان محلات میں داد عیش دیتے رہے اور ابراہیم وموسیٰ علیہم السلام پُر از آلام زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ نے

سنا ہوگا کہ جب چنگیز کے پوتے ہلاکو خان نے 1258ء میں بغداد پہ حملہ کیا تھا تو وہاں سات دن میں انیس لاکھ شہری موت کے گھاٹ اتار دیئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ ہلاکو اور اسی نوع کے دیگر قزاقوں اور قاتلوں کو ان ہولناک جرائم کی کیا سزا ملی؟ کچھ بھی نہیں۔ اس لیے بہ تقاضائے عدل ایک ایسی دنیا ہونی چاہیے، جہاں انسانیت کے محسنوں اور قاتلوں کو کئے کا بدلہ ملے۔ محسن لافانی مسرتوں سے ہم کنار ہوں اور بدکن قہر و عذاب کا شکار۔

قیامت کے شواہد: قرآن حکیم بتاتا ہے کہ قیامت دو مراحل میں نمودار ہوگی۔ پہلے مرحلہ میں ایک زلزلہ آئے گا۔ جس سے سب کچھ تباہ ہو جائے گا اور دوسرا مرحلہ صُورِ اسرافیل کا ہوگا جس سے تمام مردے جی اٹھیں گے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ ٱلسَّاعَةِ شَىْءٌ عَظِيمٌ ①

(الحج: ۱)

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ نہایت ہولناک ہوگا''

وَنُفِخَ فِى ٱلصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ ٱلْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ۵۱

(یٰسٓ: ۵۱)

''پھر صور پھونکا جائے گا اور مردے قبروں سے نکل کر اللہ کی طرف چل پڑیں گے۔''

پہلے مرحلے کا تجربہ ہمیں کئی بار ہو چکا ہے۔ 1924ء کے زلزلہ جاپان میں 16 لاکھ نفوس ہلاک ہو گئے تھے۔ اور 1935ء کے زلزلہ کوئٹہ میں اکاون ہزار۔ ہر زلزلہ ایک قیامت ہوتا ہے۔ جس سے بلندیاں پست اور پستیاں بلند ہو جاتی ہیں۔ دریاؤں کے رخ مڑ جاتے ہیں۔ کئی جزیرے ڈوب جاتے ہیں اور کئی نئے نکل آتے ہیں۔ بعض زلزلوں سے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں اور ان سے ابلتے ہوئے لاوے کا ایک دریا بہہ نکلتا ہے۔ انسان ان حادثات کے مقابلے میں اس قدر بے بس ہے کہ وہ آج تک انہیں روکنے کی کوئی سبیل نہیں

سوچ سکا اور اسے یقین ہے کہ زمین کا مالک زمین کو تباہ کرنے پہ پوری طرح قادر ہے۔

علمائے زمین شناس کا نظریہ یہ ہے کہ آج سے لاکھوں سال پہلے جب زمین سورج سے الگ ہوئی تھی تو اس کا درجۂ حرارت سورج کے برابر تھا۔ یہ حرارت آج بھی بطن زمین میں موجود ہے اور لاوے کا درجۂ حرارت وہی ہے جو آغاز میں زمین کا تھا۔ یعنی بارہ ہزار فارن ہائٹ۔ آج اگر کسی زلزلے سے سارا لاوا باہر آ جائے تو سطحِ زمین ایک کھولتے ہوئے جہنم میں بدل جائے۔

خلا میں کروڑوں بلین (بلین = ایک ارب) ستارے حیرت انگیز رفتار سے گرم پرواز ہیں۔ ان میں سے بعض زمین سے دس گنا اور بعض ایک کروڑ گنا بڑے ہیں۔ ان کا نظام پرواز اتنا مکمل ہے کہ آج تک کوئی ستارہ دوسرے سے متصادم نہیں ہوا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ طاقت جس نے ان ستاروں کو بنایا اور پھر ان کی راہیں متعین کیں، اس بات پر قادر نہیں کہ انہیں باہم ٹکرا دے اور سب کچھ تباہ کر دے۔ دیکھا آپ نے کہ محشر قائم ہونے کے کتنے ہی امکانات ہیں۔

مر مر کر جینا: انسانی جسم کے ترکیبی اجزاء کو خلیہ (Cell) کہتے ہیں۔ ایک اوسط درجے کا جسم اندازاً 26۔ ارب ملین خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ورزش، محنت اور مطالعہ سے یہ خلیے ٹوٹتے اور ان کی جگہ نئے خلیے بنتے رہتے ہیں۔ ماہرین ابدان کا اندازہ یہ ہے کہ ہر دس سال کے بعد جسم کی مکمل تجدید ہو جاتی ہے۔ پرانے خلیے مر جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں۔ جو شخص یہاں عمر کے ستر سال گزارتا ہے۔ وہ گویا سات مرتبہ مر چکا ہوتا ہے۔ لیکن موت کے ان مسلسل حملوں کے باوجود وہ زندہ رہتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ موت کے آخری حملے کے بعد بھی وہ زندہ رہے؟

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

(اقبالؒ)

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ (نازعات: ۲۷ تا ۳۳)

''کیا تمہاری تخلیق مشکل ہے یا آسمان کی اللہ نے اس کی چھت کو بلند کرنے کے بعد اسے استحکام بخشا۔ رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا۔ اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ اس میں سے پانی نکالا۔ چارا پیدا کیا اور پہاڑوں کو اس میں گاڑ دیا۔ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے ہے۔''

اسی بات کو سمجھانے کے لیے اللہ نے ایک مقام پر لطیف تر انداز اختیار فرمایا ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ (القیمہ: ۳ تا ۴)

''کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو پھر جمع نہیں کر سکیں گے؟ کیوں نہیں۔ ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ (چھوٹی چھوٹی ہڈیوں، ریشوں اور رگوں سے) اس کی انگلیوں کے پورے بنا ڈالیں۔''

ماہرینِ اجسام کہتے ہیں کہ پوروں کی ترتیب و تکمیل تخلیق کا بہت بڑا اعجاز ہے۔

نامۂ اعمال: اگر آپ ایک پُرسکون جھیل میں ایک کنکر ٹپکا دیں تو سطحِ آب پر ایک دائرہ بن جائے گا جو جھیل کے کناروں تک پھیل جائے گا۔ یہ کائنات اس جھیل سے بھی زیادہ حسّاس ہے۔ جہاں ہمارے ہر عمل، ہر جنبش بلکہ خیال تک سے لہریں اٹھتی اور پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ چونکہ کائنات کا کوئی ساحل نہیں ہے۔ اس لیے یہ لہریں سدا باقی رہیں گی۔ اگر ہم کوئی ایسا ٹیلی ویژن ایجاد کر لیں جو ان لہروں کو صوت و حرکت میں بدل سکے تو ہر شخص کا پورا اعمال نامہ فلم کی

طرح ہمارے سامنے آجائے گا۔ آیۂ ذیل میں غالباً اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ (یس:٦٥)

''قیامت کے دن ہم ان کے منہ بند کر دیں گے اور ان کے اعمال کی داستان ان کے دست و پا سنائیں گے۔''

یہ آیات بھی ملاحظہ فرمائیے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾ (ق:١٨)

(انسان جب کوئی بات منہ سے نکالتا ہے تو ایک بے باک نگران اسے فوراً ضبط تحریر میں لے آتا ہے)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ (ق:١٦)

(ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اس کے نفس کے وسوسوں تک سے آگاہ ہیں۔ کیونکہ ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

فلمی کیمرہ کی حسّاس آنکھ سے کوئی عمل یا منظر نہیں چھپ سکتا۔ یہی کیفیت اس کتاب کی ہے۔ جس میں ہمارے اعمال کا اندراج ہو رہا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ (کہف:٤٩)

(جب محشر میں کتاب اعمال کھولی جائے گی تو مجرم اس کے اندراجات سے گھبرائیں گے اور کہیں گے، یہ کیسی کتاب ہے۔ جس نے کسی چھوٹے بڑے عمل کو نہیں چھوڑا۔

سب کچھ گن ڈالا۔اور آج ان کے تمام اعمال ان کے سامنے آ گئے ہیں)

آج اور کل: ''علم جدید'' کے مصنف وحید الدین خان نے کیا پتے کی بات کہی ہے [1] کہ دنیا میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جو کل کا تصوّر رکھتا اور مستقبل کے متعلق سوچتا ہے۔اس میں شک نہیں کہ بعض جانور بھی کل کے لیے کام کرتے ہیں۔ مثلاً چیونٹیاں جاڑے کے لیے خوراک جمع کرتی ہیں۔ لیکن ان کا یہ عمل جبلّت کے تحت غیر شعوری طور پر سرزد ہوتا ہے۔ انسان کا کل موت کے بعد شروع ہوگا اور ایسا نہ ہونا انسانی زندگی کے تقاضوں کا انکار ہے۔ حیات انسانی کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ یہ دنیا شیطنت، درندگی اور قتل و غارت جیسے ڈراموں کا ایک سٹیج بن کر رہ جائے اور اس کے بعد نہ ظالم سے باز پرس ہو اور نہ مظلوم سے انصاف۔ یہ خدائی محاسبے کا خوف ہی ہے جو انسان کو انسان بننے پہ مجبور کرتا ہے۔ یہ خوف جتنا گھٹتا جائے گا ظلم اتنا ہی بڑھتا جائے گا اور آدمی آدمی کو پھاڑ کھائے گا۔ آخرت کے منکر اتنا تو سوچیں کہ جس خالق نے ہمیں پہلی دفعہ پیدا کیا ہے۔ کیا وہ دوسری مرتبہ پیدا کرنے پہ قادر نہیں؟

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴ (یونس:۴)

''تم سب کی بازگشت اللہ کی طرف ہے۔ یہ اللہ کا پختہ وعدہ ہے۔ تخلیق کا آغاز اللہ نے کیا تھا۔ اور وہی اس عمل کو دہرائے گا۔ تا کہ نیک کردار اہل ایمان کو پورا پورا بدلہ دے۔ اور بدکاروں کو ایک دردناک عذاب میں مبتلا کرے۔ جس کا تاریک پہلو یہ کہ انہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا)

[1] (علم جدید کا چیلنج'' ص129)

وحی

انسان طویل زمانے سے حقیقت کی تلاش میں ہے۔ وہ یہ جاننے کے لیے مضطرب ہے کہ زندگی کیا ہے؟ اور اس کی منزل کون سی ہے؟ خیر کیا ہے اور شر کیا؟ اگر کائنات کا کوئی خالق ہے۔ تو اس سے رابطہ پیدا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ زندگی میں نظم وضبط کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ سکون قلب کی دولت کہاں سے ملتی ہے۔ اور مسرت کا مفہوم کیا ہے؟ لیکن ابھی تک اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ انسان کی یہ بے بسی اس حقیقت کا صاف صاف اعلان ہے کہ وہ اللہ کی مدد کے بغیر اپنی منزل کو نہیں پا سکتا۔ انسان کی کتنی ہی ضروریات ہیں جن کا انتظار خارج سے ہوتا ہے۔ وہ روشنی اور حرارت سورج سے لیتا ہے جو زمین سے تقریباً ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے۔ اسے آکسیجن ہوا سے اور پانی بادلوں سے ملتا ہے۔ اس کی عقل، فکر اور شعور کی شمعیں کوئی آسمانی ہاتھ چلاتا ہے۔ جب اتنا کچھ خارج سے ہو رہا ہے تو پھر عرشی بلندیوں سے نزول وحی پہ ہمیں اعتراض کیوں ہو؟ جس اللہ نے یہ زمین بنائی۔ اس میں ہمارے لیے غذا پیدا کی۔ اور ہمارے بدن میں روح ڈالی۔ اسی نے ہم پہ یہ نوازش بھی کی کہ خیر وشر کی راہیں سمجھا دیں۔ سورۂ الشمس میں اللہ نے ان تمام نعمتوں کا ذکر یوں کیا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿۸﴾

(الشمس: ۱ تا ۸)

''سورج اور اس کی روشنی کی قسم۔ پیچھے پیچھے چلنے والے چاند۔ اجالا کرنے والے دن۔ ڈھانکنے والی رات۔ ارض وسما اور ان کی ساخت کی قسم۔ نفس انسانی

کی قسم جسے اللہ نے مختلف صلاحیتوں سے آراستہ کیا اور خیر و شر کا مفہوم الہاماً سمجھایا۔ کہ جس شخص نے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ جیت گیا۔ اور جس نے گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ہار گیا۔"

مطلب یہ کہ شمس و قمر، ارض و سما، لیل و نہار اور الہام خیر و شر ایک ہی نوع کے انعامات ہیں۔ اگر آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شمس و قمر اور ارض و سما کا انتظام کسی اعلیٰ و برتر ذات نے کیا ہے تو پھر سلسلۂ وحی کو اس کی طرف منسوب کرنے میں کون سی چیز حائل ہے؟

روشنی اور اثیری لہروں کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ جب ہم کسی نشر گاہ (ریڈیو وغیرہ) سے کوئی پیغام نشر کرتے ہیں تو وہ ایک سیکنڈ میں زمین کے آٹھ چکر کاٹتا اور چاند تک صرف ڈیڑھ سیکنڈ میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا رب ذوالعرش ان اثیری لہروں سے کام نہیں لے سکتا؟

میں نے ہپناٹزم کے کئی کرشمے دیکھے ہیں۔ 1935ء کی بات ہے کہ گورنمنٹ کالج ہوشیار پور کے ہال میں ایک بنگالی پروفیسر نے ایک لڑکی کو پہلے ہاتھ پھیر کر بے ہوش کیا اور پھر حاضرین میں سے ایک کو تاش دے کر کہا کہ کوئی پتہ نکال کر سامنے کیجئے۔ پروفیسر نے اس پتے کو دیکھ کر بے ہوش لڑکی سے کہا کہ پتے کا نام بتاؤ اور وہ بول اٹھی: چڑیا کا یکہ۔ اس نے بیسیوں دیگر پتوں کے نام بھی بتائے اور وہ سب صحیح تھے۔

"علم جدید..." کے مصنف نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے [1] کہ ایک دن میونخ (جرمنی) کے ایک ہوٹل میں جو رجنا کے نام سے مشہور تھا۔ ہپناٹزم کا ایک پروفیسر اپنی طاقتوں کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نے ایک تماشائی سے کہا کہ وہ دل میں تاش کا ایک پتہ رکھ لے اور اپنے ساتھ والے کو اس کا نام بتا دے۔ اس کے بعد پروفیسر نے ریڈیو کو کھولا۔ اس وقت خبریں آ رہی تھیں۔ اور کہنے لگا کہ اس پتہ کا نام ریڈیو اناؤنسر سے سنیئے۔ ایک آدھ سیکنڈ

---

[1] (وحید الدین خان "علم جدید کا چیلنج" ص 153)

بعد اناؤنسر نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہا: ''رجنا ہوٹل ۔ حکم کی ملکہ'' اور حاضرین سرو پا حیرت بن کر رہ گئے۔

اگر ایک ہپناٹسٹ دوسروں کے حواس، دماغ اور زبان کو مسخر کرنے کے بعد اپنی بات اس کی زبان سے نکلوا سکتا ہے۔ تو آپ اللہ کو اتنا بے بس کیوں سمجھتے ہیں؟ قرآن مقدس میں مذکور ہے کہ جب اللہ کسی نبی کی طرف پیغام بھیجتا ہے۔ تو اس کے اردگرد پہرے لگا دیتا ہے تا کہ کوئی غلط آواز نبی تک نہ پہنچنے پائے اور اللہ کا پیغام صحیح وسالم اس تک پہنچ جائے۔ یہی کیفیت اس مریض کی بھی ہوتی ہے جسے کوئی جن گھیر لے۔ یہ اس کے حواس کو پوری طرح مسخر کر کے اس کی زبان سے خود بولتا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ ایک جن زدہ لڑکی کو عربی بولتے دیکھا۔ حالانکہ وہ بمشکل سات سال کی تھی اور عربی سے قطعاً نابلد۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

(الجن: ۲۷ تا ۲۸)

(غیب کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ وہ اس غیب کی اطلاع صرف اس رسول کو دیتا ہے۔ جسے وہ پسند کرے وہ نزول وحی کے وقت اس کے آگے پیچھے پہرے کھڑے کر دیتا ہے۔ تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پیغامات اس تک صحیح و سالم پہنچ گئے ہیں)

قانون اپنی تلاش میں

انگلستان کے ایک قانون دان ایل۔ایل۔فلو (L. L. Fuller) نے ایک دلچسپ کتاب (''The Law in Quest of itself'')(قانون اپنی تلاش میں) کے عنوان سے لکھی تھی۔ جس کا ماحصل یہ کہ گو ساری دنیا میں قانونی حکومتیں قائم ہیں۔ لیکن آج

تک کوئی ایسا قانون سامنے نہیں آیا جو نوع انسان کے لیے یکساں مفید ہو اور جس پر تمام ریاستیں متفق ہوں۔ اگر ہم دس ماہرین قانون سے قانون کی تعریف پوچھیں تو ہمیں گیارہ مختلف جواب ملیں گے۔ درست کہا تھا فرائڈ مین (Friedmenn) نے:

''یہ ایک حقیقت ہے کہ قانون دان مغرب ایک متفقہ قانون تلاش کرنے میں نا کام رہے ہیں اور ان کی کوشش سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ ایک انتہا سے دوسری انتہا تک لڑھکتے رہے۔'' ❶

لنڈن یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جان آسٹن (1859ء) نے قانون کے متعلق کہا تھا کہ یہ اس حکم کا نام ہے جو ایک بادشاہ رعایا کے لیے جاری کرے۔ ❷ اس تعریف پر متعدد ااعتراض ہوئے۔ ان میں سے ایک یہ کہ بادشاہ عموماً عیاش، حریص اور جفا دوست ہوتے ہیں اور ان کے احکام کا مقصد ان کی ذاتی خواہشات کی تسکین ہوتا ہے اور بس۔ چونکہ قانون کا مقصد عوام کی فلاح و بہبود ہے۔ اس لیے کسی بادشاہ کو کوئی ایسا قانون نافذ کرنے کا حق نہیں جو عوام کے مفاد کے خلاف ہو۔ یہیں سے جمہوریت کی موجودہ تعریف سامنے آئی۔ یعنی ''عوام پر عوام کی خدمت کے لیے عوام کی حکومت'' جمہوریت کا یہ وہ تصور ہے جو آج تمام دنیا میں مقبول ہے اور جس سے قانون کو ایک آفاقی، غیر متبدل اور دائمی بنیاد مل گئی ہے۔

انگلستان کا ایک قانون دان لارڈ رائٹ (Lord Wright) لکھتا ہے:

''قانون کا بنیادی مقصد تلاش انصاف ہے'' ❶

لیکن سوال یہ ہے کہ انصاف ہے کیا؟ دنیا میں جتنی ریاستیں اتنے ہی قوانین اور انصاف کی اتنی ہی اقسام، مذاہب کے اختلاف سے بھی انصاف کے تصور میں اختلاف پیدا

---

❶ لیگل تھیوری ص 81

❷ ٹیکسٹ بک آف جیورس پروڈنس ص 56

❸ Interpretation of Modern Legal Philosophies N.Y. 1947 P. 794

ہوا ہے۔فرض کیجیے کہ ایک شادی شدہ عورت فاحشہ بن جاتی ہے ساتھ ہی وہ زبان دراز بھی ہے۔شوہر سے بات بات پہ جھگڑتی اور سارے گھرانے کے لیے لعنت بنی ہوئی ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق شوہر طلاق دے کر اس سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ایک عیسائی کو عدالت کے سامنے یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ اس کی عورت بدچلن ہے اور فلاں مرد سے ناجائز روابط رکھتی ہے۔عیسائیت میں طلاق کی واحد صورت یہی ہے۔لیکن ہندو دھرم میں ایسی عورت سے نجات حاصل کرنا ناممکن ہے۔کیونکہ وہاں طلاق کا کوئی قانون موجود نہیں۔

یورپ کے بعض ماہرین قانون کا خیال یہ ہے [1] کہ جب تک الہامی اقدار کو جو صرف آسمانی صحائف میں ملتی ہیں، اساس قانون نہیں بنایا جائے گا۔ اس وقت تک نہ تو قانون میں دوام واستحکام پیدا ہوگا اور نہ وہ دنیا کا اعتماد حاصل کر سکے گا۔

قانون ساز

قانون کون بنائے؟ اس سوال کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔

اول: کہ بادشاہ قانون بنائے لیکن بیداریٔ عوام کے اس دور میں ایسی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

دوم: کہ یہ حق ملک کے پارلیمان کو دیا جائے اور وہ ہر قانون پر بادشاہ یا صدر کی منظوری حاصل کرے۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فرد کو یہ اختیار کیوں دیا جائے کہ وہ منتخب پارلیمان کے فیصلوں کو منظور یا مسترد کرتا پھرے۔

سوم: کہ صرف پارلیمان کو حق قانون سازی حاصل ہو تو اس سلسلے میں صورت حال کچھ یوں ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں امیدواروں کو ہر ووٹر کے گھر جانا نہیں پڑتا۔ بلکہ وہ ریڈیو سے ایک انتخابی تقریر نشر کرنے کے بعد آرام سے گھر بیٹھ جاتے ہیں۔دوسری طرف ہمارے ہاں ایک امیدوار ہر ووٹر کے پاس بارہا یا تو خود جاتا ہے اور یا اپنے ایجنٹوں کو بھیجتا

---

[1] (لیگل تھیوری ص 450)

ہے۔ بعض اوقات اسے ووٹ خریدنے بھی پڑتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں کوئی عالم، فلسفی، مؤرخ یا پروفیسر انتخاب لڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس میدان میں صرف بڑے بڑے زمیندار و کارخانہ دار ہی اترتے ہیں اور وہ کوئی ایسا قانون نہیں بننے دیتے جو ان کے اپنے مفاد سے ٹکراتا ہو۔

ماہرین قانون آج تک یہ نہیں بتا سکے کہ قانون سازی کا حق کسے حاصل ہے؟ قرآن مجید کا جواب یہ ہے کہ صرف خدا کو۔ وہی انسان کا خالق اور اس کی ضروریات و مشکلات سے باخبر ہے۔ چونکہ قانون کا مقصد زندگی میں حسن و توازن پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس کام کو اللہ ہی سرانجام دے سکتا ہے، اور صرف یہی وہ قانون ہے، جس کے سامنے انسانوں کے تمام طبقے سر جھکا دیتے ہیں اور کسی کو جرح و تنقید کی ہمت نہیں پڑتی۔

نرم و سخت سزائیں: باقی لوگوں کو تو چھوڑیئے۔ آج مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو چور اور زانی کو اللہ کی تجویز کردہ سزا نہیں دینا چاہتے اور یہ نہیں سوچتے کہ سزا جتنی نرم ہوگی جرائم اتنے ہی بڑھیں گے۔ امریکہ میں زنا بالرضا کی کوئی سزا نہیں ہے۔ نتیجہ یہ کہ وہاں عصمت کا تصور نہیں رہا۔

دوسری طرف سعودی عرب، لیبیا اور مراکش میں قرآنی سزائیں نافذ ہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہاں جرائم کی تعداد کم ہوگئی ہے۔ رحم بے شک اچھی چیز ہے لیکن سانپ، بچھو، زانی اور ڈاکو پہ رحم کھانا انسانیت پہ ظلم توڑنا ہے۔ زانی وہ خود غرض، ہوس پرست اور بے رحم انسان ہے جو کسی خاتون کی آبرو لوٹنے کے بعد نہ تو اس کے بچوں کی پرورش کرتا ہے اور نہ انہیں اپنا وارث قرار دیتا ہے۔

ع

ایں چنیں بد زندگانی مردہ بہ

رہا چور تو وہ رات کی تاریکی میں دبے پاؤں کسی گھر میں داخل ہو کر اور گھر والوں کو پستول دکھا کر سب کچھ سمیٹ لے جاتا ہے۔ اگر کوئی مزاحمت کرے تو اسے موت کے

گھاٹ اتار دیتا ہے۔ ایسے سنگدل پہ رحم کرنا چہ معنی؟ صرف ایک کا ہاتھ کاٹ دیجئے تمام ڈاکو دہل جائیں گے اور چوری ختم ہو جائے گی۔

پارلیمان کی ضرورت: ملک میں خدا کا تجویز کردہ قانون نافذ کرنے کے بعد بھی مقاصد ذیل کے لیے پارلیمان کی ضرورت باقی رہے گی:

اول: الہامی اقدار کی اساس پر ایک آئین مرتب کرنے کے لیے۔

دوم: ان شعبہائے حیات کو قانون کے تحت لانے کے لیے جو پہلے زمانے میں موجود نہ تھے۔ مثلاً ریلوے، ٹرانسپورٹ، بینکنگ، پوسٹل سروس وغیرہ۔

سوم: ان جرائم کی سزا مقرر کرنے کے لیے جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہوا۔ قرآن نے صرف چوری، زنا، قتل، بغاوت اور کسی بے گناہ عورت پہ بدکاری کا الزام لگانے کی سزا کا ذکر کیا ہے اور باقی جرائم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد اور مفکرین امت کے اجماع کے حوالے کر دیئے ہیں۔

چہارم: حکومت کو مشورہ دینے کے لیے۔

پنجم: انتظامیہ پہ تنقید و گرفت کے لیے۔

نفاذ قانون کی شرط: قانون کا مقصد انفرادی و اجتماعی زندگی میں توازن پیدا کرنا ہے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ لوگ یوم الحساب (آخرت) پہ ایمان رکھتے اور اللہ سے ڈرتے ہوں۔ اس ایمان اور خوف سے وہ پاکیزہ فضا پیدا ہوتی ہے جو نیکی پہ ابھارتی اور گناہ سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ قانون بھی تبھی موثر ہو سکتا ہے۔ جب سماج بھی قانون کا ہم نوا ہو۔ یعنی اس فعل کو جرم سمجھے جسے قانون نے جرم قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مجرم سے کسی کو ہمدردی نہیں ہوگی۔ نہ سماج، نہ پولیس اور نہ عدالت کو۔ یہ ماحول صرف مذہب سے پیدا ہو سکتا ہے۔ مذہب ہی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اللہ ہمارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس کی گرفت سے بچ نکلنا ناممکن ہے۔

باب دوم

خدا کی ہستی پہ دلائل

ٹالسٹائی ❶ کی شام: روس کا مشہور ادیب و فلسفی ٹالسٹائے 1 (1828-1910ء) مذہب سے منحرف ہونے کے بعد جب دوبارہ ایمان لایا تو اس نے ''اے کنفشن'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں ایک مقام پر کہتا ہے:

''نوع انسان کسی نہ کسی ایمان کے سہارے جی رہی ہے اور اسی سے منزل کا تعین ہوتا ہے۔ انسانی نفس کی گہرائیوں میں ایک لامحدود فیاض اور بے مثال خدا کا تصور موجود ہے جس سے رابطہ قائم ہونے کے بعد دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے۔ کہ خدا سے منحرف ہونے کے بعد میں ایک شام ایک حسین جنگل میں تنہا پھر رہا تھا۔ ہر طرف سے پر اسرار آوازیں میرے کانوں میں موسیقی انڈیل رہی تھیں۔ رنگ برنگ چڑیاں شاخوں پہ پھدک رہی تھیں اور حسن فطرت پھوار کی طرح برس رہا تھا۔ یہ مناظر دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ اس بے پناہ حسن، موسیقی، مستی اور سرور کا کوئی نہ کوئی خالق ہونا چاہیے اور یوں میں تین سال تک بھٹکنے کے بعد پھر خدا پہ ایمان لے آیا۔ اس ایمان سے مجھے کائنات کے ہر تغیر کی توجیہ مل گئی۔ حریم دل میں بجھی ہوئی شمع پھر فروزاں ہو گئی۔ جس کے اجالوں سے تشکیک و اضطراب کی ظلمتیں کافور ہو گئیں اور مجھ میں یہ احساس

---

❶ ٹالسٹائی اس کا خاندانی نام ہے۔ اصلی نام تھا: لیونکولا ییک۔ (Leo Nikola Yeucich) اور مولد تھا: تولا صوبے کا ایک قصبہ یسنا یا پولیانا (Yasnaya Polyana) 1830ء میں ماں مر گئی اور 1837ء میں باپ۔ 1844ء میں قازان یونیورسٹی سے میٹرک کیا۔ پھر تعلیم سے بد دل ہو گیا۔ اور 1847ء میں کاشتکاری شروع کر دی۔ 1851ء میں فوج میں کمیشن مل گیا۔ 1857ء میں فوج سے استعفیٰ دے دیا۔ 1861ء میں اپنے شہر کا مجسٹریٹ بن گیا۔ اور ایک آسودہ و عیاشانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ ساتھ ہی عیسائیت ترک کر دی۔ کچھ عرصے کے بعد اس میں احساس ندامت پیدا ہوا۔ یہ پھر ایمان لے آیا۔ اور ایک نہایت پاکیزہ زندگی بسر کرنے لگا۔ (انسائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ ج22 لنڈن 1950ء ص272)

پیدا ہو گیا کہ میں بیک وقت زمین پر بھی ہوں اور آسمان پر بھی۔'' [1]

کائنات بہت حسین ہے، ٹالسٹائی نے جس سہانی شام کا ذکر کیا تھا۔ وہ آج بھی موجود ہے۔ وادیٔ کائنات میں حسن کے دریا بہہ رہے ہیں۔ اسے دیکھنے کے لیے ایک خاص نظر چاہیے۔ اگر نیلی فضاؤں، اودی گھٹاؤں، سبزہ زاروں، کہساروں، سمندروں، ساحلوں، لہلہاتی ہوئی کھیتیوں اور مسکراتی ہوئی کلیوں میں اللہ نظر نہیں آتا تو پھر وہ جنت میں بھی نظر نہیں آئے گا۔

نظامِ کائنات: انگلستان کا ایک طبیعی جارج ارل ڈیوس کہتا ہے:۔

''میں مدت سے کائنات کے پیچیدہ نظام کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ ایک ذرے سے لے کر آفتاب تک ہر جگہ ایک حیرت انگیز نظم و نسق پایا جاتا ہے۔ روشنی کی ہر شعاع قطرۂ شبنم کی ہر لرزش اور ہر فطری و کیمیاوی تغیر پابند آئین ہے۔ یہ امر ناقابل تصور ہے
کہ یہ نظم و ضبط اور یہ ترتیب کسی ناظم کے بغیر خود بخود وجود میں آ گئی۔

''انسانی بدن میں کان، آنکھ، دل، جگر اور دماغ اس قدر پراسرار و پیچیدہ مشینیں ہیں کہ انسان انہیں سمجھ تک نہیں سکتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا خالق کون ہے۔ جواب ایک ہی ہے کہ اللہ۔'' [2]

انگلستان کا یک اور فاضل ڈاکٹر ایبر سولڈ کہتا ہے:

''اس کائنات میں نظم و ترتیب اور حکمت و صناعی کے یہ حیرت انگیز مظاہر کسی حادثے یا اتفاق کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ ایک بے مثل خالق اور عظیم مدبر کی تخلیق ہیں۔ جب میں نے سائنس کا مطالعہ شروع کیا تو آغاز میں خیال یہ تھا کہ سائنس بہت جلد زندگی اور عقل و شعور کے سرچشموں کے متعلق مکمل علم حاصل کر لے گی۔

---

1. (ملخص۔ بحوالہ نفسیات و واردات روحانی ص 271)
2. (ملخص۔ خدا موجود ہے ص 49)

لیکن جوں جوں میرے علم میں اضافہ ہوتا گیا یہ حقیقت بھی مجھ پر منکشف ہوتی گئی کہ انسانی علم ان ماورائی حقائق کی ابجد سے بھی نا آشنا ہے۔'' [1]

کائنات پہ ایک چھلتی سی نظر ڈالنے کے بعد ذہن میں کئی سوالات ابھرتے ہیں۔

مثلاً:

(ا) زمین پر جانوروں کی لاکھوں انواع آباد ہیں۔ ان کی شکلیں، آوازیں، عادتیں اور رنگ ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہیں؟

(ب) لومڑی کے بطن سے لومڑی ہی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ خرگوش کیوں پیدا نہیں ہوتا؟

(ج) عقل وشعور کی دولت صرف انسان کو کیوں ارزانی ہوئی؟ اور باقی تمام کائنات اس سے کیوں محروم رہ گئی؟

(د) کائنات میں حرارت وبرودت کا توازن کس نے قائم کیا؟

(ہ) کیا یہ ممکن ہے کہ کسی مطبع میں ایک دھماکے سے کوئی ضخیم لغات یا معجم تیار ہو کر باہر آپڑے؟ اگر یہ ممکن نہیں تو پھر کاسمائی دھماکوں سے یہ کتاب کائنات، جس میں ان گنت حقائق مرقوم ہیں کیسے وجود میں آ گئی؟ بائبل میں ہے:

''تو کہاں تھا۔ جب میں نے زمین کی بنیاد ڈالی؟ کس نے اسے ناپا؟ کسی نے سمندروں کے دروازے بند کئے؟ کس نے فضاؤں کو بادل اور زمین کو رات کا لباس پہنایا؟ کس نے سمندر کی بپھری ہوئی لہروں کو خشکی پہ یلغار کرنے سے روکا؟ بارش اور شبنم کا باپ کون ہے؟ بجلیاں کس کے تصرف میں ہیں؟ اور ستاروں کی رہبری کون کر رہا ہے۔'' [2]

مغرب کے ایک طبیعی رابرٹ کار کا قول ہی:

---

[1] (ملخص ایضاً ص 100)

[2] (ملخص۔ کتاب ایوب باب 28)

''اے میرے آقا! جب میں ان حسین دنیاؤں کو دیکھتا ہوں جو تیرے مقدس ہاتھوں نے تعمیر کی ہیں۔ جب میں ان جھلملاتے تاروں، نشیلی گھٹاؤں اور نیلی فضاؤں پہ نظر ڈالتا ہوں تو میری روح بے ساختہ پکار اٹھتی ہے کہ اے رب! تو کتنا عظیم ہے۔'' ❶

''مشہور جرمن فلاسفر کانٹ (1724-1804ء) کہتا ہے:

''دو چیزیں ایسی ہیں کہ میں ان پر جتنا غور کرتا ہوں، اتنی ہی میری حیرت بڑھتی جاتی ہے۔ ایک یہ تاروں بھرا آسمان، دوسرا وہ عظیم اخلاقی اصول جن پر زندگی کی عمارت قائم ہے۔'' ❷

دلیل حرکت: کائنات کا ہر ذرہ متحرک ہے۔ حرکت محرک کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ یہی محرک اشیاء کی رفتار، سمت اور منزل معین کرتا ہے۔ حرکت کی علت یہی ہے کہ علت ہمیشہ معلول سے مقدم ہوتی ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی شے موجود نہیں جو اپنے وجود کی علت خود ہو۔ ورنہ وہ اپنے آپ سے مقدم ہو جائے گی اور یہ محال ہے۔ چونکہ کائنات میں حرکت و تخلیق ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گی اس لیے ہمیں ایک ایسی علت کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا جو دائم و قائم ہو۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ (بقرہ:۲۵۵)

''اللہ کے سوا کوئی اور ذات عبادت کے قابل نہیں ہے۔ وہ زندہ و قائم ہے۔ نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔''

دنیا کی ہر چیز دو عدموں میں محصور ہے۔ ایک عدم پیدائش سے پہلے تھا اور دوسرا

---

❶ (خدا موجود ہے۔ص220)

❷ (ایضاً ص240)

موت کے بعد ہوگا۔ پہلے عدم میں ایک ایسے خالق کا وجود ضروری ہے جو تخلیق کا باعث ہو۔
کیونکہ کوئی معدوم کسی موجود کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ (النمل:۶۴)

(بھلا وہ کون ہے جو تخلیق کا آغاز کرتا اور پھر اسے دہراتا ہے؟ وہ کون ہے جو زمین و آسمان سے تمہیں رزق پہنچاتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے؟ انہیں کہیئے کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو)

اللہ ایک ایسی ہستی ہے جو ہر تخلیق اور تکوین پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس حقیقت پر لا تعداد شہادتیں موجود ہیں کہ وہ ہماری دعائیں سنتا اور مصائب میں ہماری مدد کرتا ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی ساری کائنات کو زندگی دے رہی ہے۔ اسی طرح وہ علت اولیٰ اور روح اعلیٰ تمام دنیاؤں پر حیات و توانائی کا مینہ برسا رہی ہے۔

ذرا اللہ کے تصور میں ڈوب کر دیکھئے۔ آپ کو ہر معاملے میں اس کا ہاتھ نظر آئے گا۔ اس سے ہم کلامی کا احساس ہوگا۔ وہ سانس سے بھی زیادہ قریب نظر آئے گا۔ اور آپ محسوس کریں گے کہ آپ اس کے اندر رہ کر زندہ ہیں اور حقیقی زندگی یہی ہے۔

دیر و حرم کی کشمکش ہو گی کہیں یہاں نہیں
تیری قیام گاہ سے آگے کوئی جہاں نہیں (انجم بدایونی)

گھڑی: گھڑی کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہے گا کہ یہ خود بخود بن گئی ہے۔ یہ عجب بات ہے کہ ملاحدہ انسان کی بنائی ہوئی تمام اشیاء مثلاً برتن، بندوق، صندوق اور مکان وغیرہ کے لیے تو ایک صانع، معمار اور کاریگر کا وجود ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن قدرتی اشیاء یعنی درخت، پھول اور پرندے وغیرہ کا کوئی خالق تسلیم نہیں کرتے۔ اٹھارویں صدی میں یہ

عقیدہ کہ کائنات خود بخود عدم سے وجود میں آ گئی انگلستان میں اتنا عام ہو گیا تھا کہ ایک ❶ ، دیندار انگریز نے اڑھائی لاکھ پونڈ کا ایک ٹرسٹ اس غرض سے بنایا کہ اس کج فکری کو روکنے کے لیے کتابیں لکھی جائیں۔ چنانچہ رائل سوسائٹی لنڈن کے بعض ارکان نے اس موضوع پر بارہ کتابیں لکھیں۔ یہ سلسلہ چل رہا تھا کہ انگلستان میں ایک جدت پسند اور عہد آفریں مفکر سامنے آیا۔ نام تھا چارلس رابرٹ ڈارون (1809-1882ء) اس نے ارتقاء اور بقائے اصلح کے نظریے اس زور شور سے پیش کئے کہ علمی دنیا نے اس کے سامنے سر جھکا دیا اور خدا کو کائنات سے خارج کر دیا۔ آج پھر سائنسی فکر میں تبدیلی آ رہی ہے اور ڈارون ایک ایسا سنگ میل بن چکا ہے۔ جسے ہم میلوں پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ آج سائنس نے ہمیں نئی روشنی دی ہے نیز ایک ایسا افق عطا کیا ہے جہاں سے مابعد الطبیعی دنیا اپنے تمام حسین مناظر کے ساتھ نظر آتی ہے۔

یورپ کے ایک فلسفی کا قول ہے:

''کائنات میں سب سے بڑا معمایہ انسان ہے اور اس سے بڑا معما اس کا دماغ ہے جو ذہانت، تجسس، شعور، حافظہ، فکر اور خرد کے اوصاف سے آراستہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان اوصاف کا خالق کون ہے؟ جواب یہ ہے: وہ رب جسے دل نے تو ہمیشہ پہچانا۔ لیکن خرد اس سے عموماً غافل رہی۔'' ❷

گولیوں کی تمثیل: آپ دس گولیوں پر ایک سے دس تک کے ہندسے لکھ کر جیب میں ڈال لیں۔ اب اگر آپ چاہیں کہ جیب سے نکالتے وقت پہلے نمبر ایک، پھر دو، پھر تین اور آخر میں نمبر دس نکلے تو یہ ناممکن ہے۔ ریاضی کی رو سے ان کے ترتیب وار نکلنے کے امکانات یہ ہیں:

---

❶ (خدا ہمارے ساتھ ہے ص 8)

❷ (ملخص خدا موجود ہے ص 13,12)

گولی نمبر	امکان
1	1/10
2	1/100
3	1/1000
4	1/دس ہزار
5	1/لاکھ
6	1/دس لاکھ
7	1/کروڑ
8	1/دس کروڑ
9	1/ارب
10	1/دس ارب

کائنات میں مخلوق اشیاء کی تعداد دس کھرب سے بھی زیادہ ہے۔ان کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ سب اتفاقاً پیدا ہوگئیں اور ہر مخلوق ازخود اتفاقاً مکمل ہوگئی۔قانون اتفاق کی رو سے سراسر باطل ہے۔ہم مانتے ہیں کہ اتفاق بھی ایک حقیقت ہے۔لیکن اتفاقات اچھے بھی ہوسکتے ہیں اور برے بھی۔یہ عجیب بات ہے کہ کائنات میں صرف اچھے اتفاقات استعمال ہوئے اور برے اتفاق کو چھوا تک نہیں گیا۔تخلیق وتکوین کے یہی وہ ایمان افروز معجزات ہیں جن پر غور کرنے کے بعد انگلستان کے ایک طبیعی ولیم میکبر ائڈ نے کہا تھا:

Can any one seriously suggest that this directing and regulating lower originated in chance encounter of atoms? Can the stream rise higher than its fountain.❶

''کیا کوئی شخص سنجیدگی سے یہ تسلیم کرسکتا ہے کہ کائنات میں یہ نظم وہدایت عناصر کی اتفاقیہ آمیزش سے پیدا ہوگئی ہے؟ کیا کوئی چشمہ اپنے منبع سے بلند تر سطح پہ بہہ سکتا ہے؟

اگر چند بندر کسی ٹائپ رائٹر پہ بیٹھ کر ہزار سال تک اسے چلاتے رہیں۔تو کیا یہ ممکن ہے کہ کسی کاغذ پہ شیکسپیئر کی کوئی نظم ٹائپ ہوجائے یا کسی پریس سے ہزار صفحات کا ایک لغات

---

❶ (فرانس میسن۔گریٹ ڈیزائن۔فلوریڈا۔1972ء۔ص158)

خود بخود تیار ہو کر باہر آ جائے؟ مغرب کے ایک طبیعی ہیکل (Haeckel) نے کہا تھا، کہ مجھے ہوا، پانی اور فلاں فلاں کیمیائی اجزاء دے دو۔ میں انسان بنا دوں گا۔ لیکن وہ یہ نہ بنا سکا کہ زندگی یا روح کہاں سے لائے گا؟ عقل وشعور کس ماخذ سے حاصل کرے گا۔ بدن کا نہایت پیچیدہ مواصلاتی نظام کیسے تیار کرے گا۔ جگر، گردے اور دل کیسے بنائے گا اور شریانوں کا حیرت انگیز جال کیسے بچھائے گا؟ امریکہ کے ایک سائنس دان کا قول ہے:

> ''اگر کائنات اپنے آپ کو پیدا کر سکتی ہے تو ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ وہ ایک ایسا نرالا خدا ہے جو بیک وقت مادی بھی ہے اور مافوق الفطرت بھی۔ ایسے مہمل تصور کو اپنانا ناممکن ہے۔''❶

نباتات کا اعجاز: کائنات کا حسن نباتات کی وجہ سے ہے اور یہ ہمارے لیے مدار حیات بھی ہیں۔ یہ غلہ اور پھل جو ہم کھاتے ہیں، یہ کپڑے جو ہم پہنتے ہیں، یہ چائے، کافی اور شربت جو ہم پیتے ہیں، سب نباتات سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ ربڑ، یہ کاغذ، یہ کوئلہ، یہ تیل، یہ صابن سب نباتات کا کرشمہ ہیں۔ ہماری یہ الماری میں سجی ہوئی کتابیں وہ جنگل ہیں جنہیں مزدور کاٹ کر کاغذ کے کارخانوں تک لے گئے تھے۔

پھولوں کے ایک ننھے سے پودے سے لے کر چنار کے درخت تک آپ کو نباتات کی کروڑوں اقسام نظر آئیں گی۔ ان میں سے کچھ باغوں کی آرائش ہیں۔ کچھ ہماری غذا ہیں اور کچھ متاعِ حیات۔ یہ سب ایک ہی زمین سے اگتی اور ایک ہی پانی سے نشوونما پاتی ہیں۔ لیکن کمالِ تخلیق دیکھیے کہ سب کی حیثیت، رنگ، قامت، تاثیر، بو اور ذائقہ الگ ہے۔

> وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۭ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴

(الرعد:۴)

---

❶ (Evidence of God p. 71)

"زمین میں پاس پاس ایسے قطعات ہیں جن میں کہیں کھیتی، کہیں انگور اور کہیں کھجور کے درخت ہیں۔ ان میں سے کچھ ایک جڑ سے نکلتے ہیں اور کچھ الگ جڑوں سے۔ ان سب کی پرورش ایک ہی پانی سے ہوتی ہے۔ لیکن ان کے ذائقے الگ الگ ہیں۔ ان باتوں میں ارباب دانش کے لیے کتنے ہی اسباق و شواہد موجود ہیں۔"

درخت اپنے پتوں کے دامن ہوا اور سورج کے سامنے پھیلا کر ان سے زندگی کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان کی جڑیں بطن زمین سے پانی اور غذا لے کر بلند ترین شاخوں تک پہنچاتی ہیں اور پھلوں میں رس، مٹھاس اور خوشبو بھرتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو رہا ہے۔ اور اس نظام کے پیچھے ایک ہمہ بین آنکھ اور ہمہ دان دانش کارفرما نہیں؟

پانی کے اوصاف: یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ پانی مدار حیات ہے۔ اس کی چند دیگر خصوصیات یہ ہیں:

اول: جب [1] پانی جمنے لگتا ہے تو وہ کثیر مقدار میں حرارت خارج کرتا ہے۔ جس سے نیچے کا پانی متاثر ہوتا اور غیر منجمد رہتا ہے۔ اگر سردیوں میں سارا پانی جم جائے تو تمام مچھلیاں اور پانی کے دیگر جانور مر جائیں۔

دوم: برف پانی سے ہلکی ہوتی ہے۔ یہ پانی کی سطح پر رہ کر نیچے کے پانی کو انجماد سے بچاتی ہے۔

سوم: پانی سیال ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس سے پیاس بجھتی، نہ کپڑے صاف ہوتے اور نہ کھیتیاں سیراب ہوتیں۔

چہارم: اگر سمندر منجمد ہوتے تو دنیا سردی سے ہلاک ہو جاتی۔ اگر ابل رہے ہوتے تو گرمی سے مر جاتی۔ اس کا اعتدال ہی بقائے حیات کا باعث ہے۔

---

[1] طاہر حسین "فنڈامینٹلز آف فزکس" لاہور 1972ء۔ ص 21

پنجم: سائنس دان بتاتے ہیں کہ آغاز تخلیق میں جب زمین آفتاب سے الگ ہوئی تھی تو اس کا درجۂ حرارت وہی تھا جو سورج کا ہے۔ یعنی بارہ ہزار فارن ہائٹ ❶۔ جب یہ حرارت کم ہوتے ہوتے چار ہزار فارن ہائٹ ہوگئی تو آکسیجن کی ایک خاص مقدار ہائیڈروجن کی طرف بھاگی اور پانی تیار ہوگیا۔ ان گیسوں کی مختلف مقادیر سے کروڑوں مرکبات تیار ہو سکتے ہیں۔ لیکن پانی ان کی صرف ایک ترکیب (تقریباً دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن) سے بنتا ہے اور باقی تمام مرکبات زہر ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اوزان و مقادیر کی یہ تعین خود بخود ہوگئی تھی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کیمسٹ کی دوکان میں مفرد ادویہ از خود ایک دوسرے سے مل کر مرکب بن جائیں یا لکڑی کے تختے کشتی کی صورت اختیار کرلیں۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾

(حجر: ۲۱)

"تمام اشیاء کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر شے کو ایک معین مقدار میں نازل کرتے ہیں۔"

زمین: زمین کہاں سے آئی؟ ماہرین ❷ ارض نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ آج سے ہزار ہا صدیاں پہلے ایک بہت بڑا ستارہ سورج کے قریب سے گذرا۔ زور کشش سے سورج کے چند ٹکڑے کٹ کر دور خلا میں گھومنے لگے۔ ان میں سے ایک زمین تھی۔ ان ٹکڑوں کو قریب کے ستاروں نے کھینچ کر متوازن کر دیا۔ زمین کی دو حرکتیں ہیں۔ ایک اپنے گرد جو چوبیس گھنٹوں میں مکمل ہوتی ہے اور دوسری آفتاب کے گرد جو 365 دن لیتی ہے۔

---

❶ سورج کا درجۂ حرارت بطن آفتاب میں 25 ملین ڈگری فارن ہائٹ ہے۔ اور سطح آفتاب پر تین ملین ڈگری۔ لیکن کریسی ماریسن (خدا ہمارے ساتھ ص 27) نے سطح کا ٹمپریچر صرف بارہ ہزار فارن ہائٹ بتایا ہے۔ اور یہ صحیح نہیں۔ (ناسا امریکہ: Space the new Frontier شمار 107-8 (106) ص 18)

❷ فرانسس تھامسن: "گریٹ ڈیزائن" ص 99 اور "خدا ہمارے ساتھ ہے" ص 17

ایک اندازے کے مطابق زمین کو آفتاب سے جدا ہوئے آج دو ارب صدیاں گزر چکی ہیں۔لیکن ان گردشوں میں ایک سیکنڈ کا فرق بھی نہیں آیا۔ورنہ علمائے ہیئت کے تمام حساب غلط ہو جاتے۔اپنے ❶ گرد زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے اور آفتاب کے گرد 68۔ ہزار میل فی گھنٹہ کے حساب سے۔اگر اس کی پہلی رفتار کو دس گنا کم کر دیا جائے تو شب و روز دس گنا لمبے ہو جائیں گے۔جون میں 140 گھنٹے کا گرم دن زمین کو جھلس کر رکھ دے گا اور جنوری کی اتنی ہی طویل رات ہر شے کو منجمد کر دے گی۔اور ❷ اگر اسے بڑھا دیا جائے تو ہر شے کا وزن کم ہوتا جائے گا اور جب یہ رفتار سولہ ہزار دو سو میل فی گھنٹہ تک پہنچے گی تو کسی چیز میں کوئی وزن نہیں رہے گا۔ ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا درختوں اور مکانوں کو گرا دے گا۔اور ہاکی کا بال ہٹ ہونے کے بعد ہوا میں اُڑ جائے گا اور پھر کبھی واپس نہیں آئے گا۔

زمین ❸ کا وزن پانچ ارب بلین ٹن ہے۔اگر یہ آدھا ہوتا تو کشش ثقل نصف رہ جاتی اور اشیاء کا وزن آدھا ہو جاتا۔اگر یہ وزن دگنا ہوتا تو ہر چیز کا وزن ڈبل ہو جاتا۔

زمین سورج سے تقریباً 9 ❹ کروڑ 29 لاکھ میل دور ہے۔اگر یہ فاصلہ کم ہوتا تو ہم گرمی سے مر جاتے اور زیادہ ہوتا تو سردی سے۔

کرۂ زمین کا رخ آفتاب کی طرف بالکل سیدھا نہیں بلکہ 23 درجے ❺ کے قریب

---

❶ ''گریٹ ڈیزائن'' ص 24

❷ فزکس کے ماہرین کہتے ہیں۔کہ اگر کسی چیز کا وزن 1000 پونڈ (بارہ من بیس سیر) ہو۔اور زمین کی محوری رفتار دگنی کر دی جائے تو اس کا وزن چودہ پونڈ گھٹ جائے گا۔12600 میل فی گھنٹہ کی رفتار پر وزن آدھا رہ جائے گا۔اور 16200 کی رفتار پر ہر چیز کا وزن ختم ہو جائے گا۔(آر۔ابن۔بال: ''فزکس میڈ ازی''۔دہلی 1956ء۔ص 1)

❸ طاہر حسین: ''فنڈامینٹلو آف فزکس''۔لاہور 1972ء۔ص 65

❹ Nasa: ''Space, the Frontier'' شمارہ (106) 107۔8 ص 18

❺ ''خدا ہمارے ساتھ ہے'' ص 22

ایک طرف کو جھکا ہوا ہے۔ یہی جھکاؤ موسموں کا سبب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر دن پچھلے دن جیسا ہوتا اور ہم سردی، گرمی، بہار اور برسات کے مناظر، غذاؤں اور پھلوں سے محروم رہ جاتے۔

کائنات میں بقائے حیات کے انتظامات اس قدر مکمل و مسلسل ہیں۔ کہ انہیں حسن اتفاق کہنا دلیل کم نظری ہے۔ کیا زمین کا یہ حجم، یہ جھکاؤ، یہ رفتار، یہ سلسلۂ لیل و نہار، یہ موسموں کی گردش، یہ ہوا، یہ سورج، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ زمین میں قوت روئیدگی، یہ گھٹاؤں کا حیرت انگیز نظام اور یہ ازہار و اثمار کی حسین دنیا محض اتفاقات ہیں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝٦٠ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٦١

(النمل ۶۰ تا ۶۱)

(بتاؤ کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ ہم نے آسمان سے مینہ برسایا اور اس سے حسین باغ اُگائے۔ ان درختوں کو اگانا تمہارے بس کی بات نہیں تھی۔ کیا اللہ کا کوئی اور شریک بھی ہے؟ یہ لوگ سچائی سے بے وجہ بھاگ رہے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا۔ اس میں نہریں چلائیں اوپر کوہسار نصب کیے اور دو سمندروں کے درمیان خشکی کو حائل بنا دیا۔ کیا اللہ کے ساتھ اور خدا بھی ان انتظامات میں شریک ہے؟ بے شک انسانوں کی اکثریت (خدا کو) نہیں جانتی)

ہوا اور دیگر گیسیں: آغاز آفرینش میں جب زمین ٹھنڈی ہوئی تو دو گیسیں یعنی نائٹروجن اور آکسیجن باہم مل کر ہوا میں تبدیل ہوگئیں۔ نائٹروجن ❶ کی مقدار اٹھہتر اعشاریہ تین تھی اور آکسیجن کی بیس اعشاریہ ننانوے، آکسیجن ایک آتش پذیر گیس ہے۔ اگر فضا میں اس کی مقدار زیادہ ہوتی تو آسمانی بجلی کے ایک شرر سے آگ بھڑک اٹھتی اور سب کچھ جل جاتا۔ اگر موجودہ مقدار سے نصف ہوتی تو نہ چولہوں میں آگ جلتی اور نہ حیوانی زندگی باقی رہتی۔ کرۂ ہوا میں ذرات گرد، آبی بخارات اور گیسوں کی وجہ سے کچھ کثافت ہوجاتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو وہ لاتعداد شہاب، جو کثیف فضا کی رگڑ سے جل کر راکھ ہوجاتے ہیں۔ ہم پر اتنے شرر اور پتھر برساتے کہ زندگی ختم ہوجاتی۔

سمندر کے پاس ہوا کا ❷ دباؤ 15 پونڈ فی انچ ہوتا ہے اور ہزار فٹ کی بلندی پر تقریباً ساڑھے چودہ پونڈ فی انچ۔ انسان کے کندھے اندازاً اسی مربع انچ جگہ گھیرتے ہیں۔ ان پر ہوا کا دباؤ 1160 پونڈ یعنی ساڑھے چودہ من ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان اس بوجھ کے نیچے پس کیوں نہیں جاتا۔ جواب یہ ہے کہ اس حکیم علی الاطلاق اور عقل کل نے ہوا اور پانی دونوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ ان کا دباؤ ہر سمت سے ہر سمت کو ہوتا ہے۔ یعنی اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر۔ اور اس لیے بوجھ کا احساس نہیں ہوتا۔

نباتات کی بقاء کا انحصار کاربن پر ہے۔ درختوں کے پتے ہوا سے کاربن اور آکسیجن کا آمیزہ لے کر کاربن پاس رکھ لیتے ہیں اور آکسیجن خارج کر دیتے ہیں۔ اگر پودے آکسیجن مہیا نہ کرتے تو حیوانات مر جاتے۔ اگر حیوانات کاربن خارج نہ کرتے تو درخت سوکھ جاتے۔

نائٹروجن حیوانی و نباتاتی حیات کا لازمی جزو ہے۔ یہ دو طریقوں سے زمیں میں

---

❶ محمد علی علوی: ''آئین جغرافیہ'' کراچی 1957ئ۔ ص 144

❷ ناسا: Space the new Frontier۔ شمارہ 8-107 (106) اور ''خدا ہمارے ساتھ ہے'' ص 33

داخل ہوتی ہے۔ اول۔ خورد بینی اجرام یا بکٹیریا کے ذریعے جو زمین کی بالائی تہہ میں رہتے ہیں اور کھاد وغیرہ کھا کر ایک ایسا رس خارج کرتے ہیں۔ جس میں نائٹروجن بہت زیادہ ہوتی ہے۔ نصف ❶ چھٹانک زمین میں ان کی تعداد ایک کھرب پینتیس ارب کے قریب ہوتی ہے اور زمین کے ہر ایکڑ میں ان کا کام بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔ اگر ایک سو ایکڑ کھیت میں دس کسان ہل چلا رہے ہوں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک مخفی لشکر بھی وہاں کام کر رہا ہوتا ہے۔ غور فرمایئے کہ کھیتی باڑی میں انسان کا حصہ کتنا ہے اور اللہ کا کتنا؟ اللہ نے خود ہی ایک سوال پوچھا ہے؟

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾

(واقعہ: ۶۳ تا ۶۴)

"کیا تم نے اپنی کھیتی پہ کبھی غور کیا؟ زراعت کون کرتا ہے۔ تم یا ہم؟"

اور خود ہی اس کا جواب یوں دیا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿٢٤﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ (عبس: ۲۴ تا ۳۲)

"انسان ذرا اپنی غذا پہ نظر ڈالے (کہ کہاں سے آئی؟) ہم نے مینہ برسا کر زمین کا سینہ چیرا، اس سے غلے، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغ،

---

❶ بکٹیریا ایک خورد بینی جانور ہے، جو زمین کی تہہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ ایک انچ کا دو لاکھ پچاس ہزارواں حصہ ہوتا ہے۔ زمین کی تہہ میں یہ کئی طرح کسان کی مدد کرتا ہے۔ یہ نائٹروجن کو جذب کر کے پودوں کی جڑوں تک پہنچاتا۔ ایک رس سا خارج کرتا اور مر کر کھاد بن جاتا ہے۔ (سائینٹفک انسائیکلوپیڈیا۔ نیویارک 1956ء ص 159)

میوے اور چارا پیدا کیا۔ یہ سب کچھ تمہارا اور تمہارے مویشیوں کا متاع حیات ہے۔"

دوسرا طریقہ یہ کہ جب بجلی چمکتی ہے تو اردگرد کی آکسیجن نائٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بارش اسے زمین پہ لے آتی ہے۔

میں منکرین خدا سے پوچھتا ہوں کہ گیسیں کہاں سے آئی تھیں؟ انہیں ایک معین مقدار میں ملا کر کس نے پانی اور ہوا کا مرکب تیار کیا تھا؟ یہ خیال کہ سب کچھ خود بخود ہو گیا تھا؟ احمقانہ ہے۔

انقلابات حیات: زندگی ہزارہا انقلابات سے گزری ہے کسی زمانے میں سمندر سے وسیع براعظم ابھرے تھے اور پھر اسی میں ڈوب گئے۔ زلزلوں سے بلند کہساروں نے جنم لیا۔ کھڑیا، چونے اور چقماق کے پہاڑ اس زمانے کی داستان سنا رہے ہیں۔ جب ان کی چوٹیوں پر سمندر موجزن تھے۔ کوئلہ، گیس اور تیل اس دور کے شاہد ہیں۔ جب زمین نے آفتاب سے کچھ حرارت و توانائی مستعار لے کر اپنے سینے میں چھپا لی تھی۔ ان تمام انقلابات کے پیچھے ایک ایسا دماغ مصروف عمل ہے جو بے جان لوتھڑی سے انسان تراشتا، پھولوں میں رنگ بھرتا، پھلوں کو رس اور روپ عطا کرتا، چشموں کو خرام اور عنادل کو موسیقی سکھلاتا ہے۔ انگلستان کے ایک طبیعی سر آلیور لاج (1851ء۔1913ء) کا قول ہے:

"The Universe is ruled by a Mind, it may be the mind of a mathematician or of an artist or of a poet or all of them. It is the one reabty wihch gives meaning to existence, enriches our daily task, energises us with faith wherever knowldge fails." [1]

---

[1] گریٹ ڈیزائن ص233

''اس کائنات پر ایک دماغ کی حکومت ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ یہ دماغ ریاضی دان کا ہے یا آرٹسٹ اور شاعر کا یا ان سب کا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو حیات کو پُر معنی بناتی۔ ہمارے اعمال کو سنوارتی اور جہاں علم نا کام ہو جائے وہاں ہمارے ایمان کو مستحکم کرتی ہے۔''

عقل کی طاقت: ساری کائنات میں تنہا انسان ہی عقل کا مالک ہے۔ اور باقی تمام اشیاء مثلاً حیوانات، نباتات، احجار وغیرہ بے عقل ہیں۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ عقل تمام دیگر اشیاء پہ غالب ہے اور انہیں حسب منشاء استعمال کر رہی ہے۔ یہ کائنات من حیث المجموع بے عقل ہے۔ اسے رواں دواں رکھنے کے لیے ایک ایسی ہستی کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا جو سراپا دانش یا عقل کُل ہو۔

سکون قلب: ہر دور کے فلسفی، صوفی اور شاعر نے ایک ہی بات کہی ہے کہ سکون کا سرچشمہ ذات الٰہی ہے اور جب تک کوئی شخص رحمت ایزدی کی بے کراں وسعتوں میں اپنا مسکن نہ بنالے اسے چین نہیں مل سکتا۔ عصر رواں کی شدید روحانی اذیت اور اضطراب کا سب سے بڑا سبب اللہ سے روابط کا انقطاع ہے۔ نسل نو کا خیال یہ تھا کہ جنسی آزادی، عیاشی اور ناؤنوش سے وہ مسرت کو پالے گی۔ لیکن وہ نا کام رہی۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ جسمانی وحیوانی لذات سے روح میں اضطراب پیدا ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ

(انعام: ۸۲)

''جو لوگ خدا پہ ایمان لائے اور ان کا ایمان گناہ سے آلودہ نہیں ہوا۔ انہیں امن و سکون کی نعمت ملے گی۔''

خدا پہ ایمان صرف عقلی و سائنسی دلائل سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ کائناتی علم روحانی واردات و مشاہدات کے اشتراک سے جنم لیتا ہے۔ آج کا سائنس دان ایک عجیب مقام پہ رکا ہوا ہے۔ وہ نہ تو وجود کائنات کی کوئی توجیہ پیش کر سکتا ہے اور نہ وہ دانش اعلیٰ کو تسلیم

کرتا ہے۔ بایں ہمہ وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں ایک ایسے شعور، احساس اور فکر کے سرچشمے کو ضرور محسوس کرتا ہے جسے روح اکبر کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ انسان کا جذبۂ جستجو ازل سے ایک ایسی اعلیٰ و برتر ہستی کی تلاش میں ہے جس سے رابطہ قائم کرنے کے بعد اسے عظمت، عزت، مسرت اور سکون قلب کا احساس ہو۔ انسان کی روح اسی روح کو پکارتی آرہی ہے۔

جمال کائنات: کائنات کتنی حسین ہے۔ یہ اُودی اُودی گھٹائیں، یہ ہفت رنگ دھنک، یہ شیر رنگ کہکشاں، یہ نیلگوں فضائیں، یہ سبک خرام ہوائیں، یہ گنگناتے ہوئے چشمے، لہراتی ہوئی ندیاں، شاداب وادیاں، صحرا میں بھیگے ہوئے بھر بھرے ٹیلے، پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں، ہرنوں کے ریوڑ اور کونجوں کے ڈار وہ دل ربا مناظر ہیں جو اپنے جلیل و جمیل خالق کے وجود پہ شہادت دے رہے ہیں۔ اگر ایک تصویر مصور کے بغیر نہیں بن سکتی تو عرش سے فرش تک پھیلی ہوئی یہ وسیع و عریض کائنات کسی خالق کے بغیر کیونکر وجود میں آسکتی ہے؟

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾ (مومنون: ۸۶ تا ۸۷)

”ان سے ذرا پوچھیئے کہ سات افلاک اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ یہی کہیں گے کہ اللہ۔ پھر ان سے کہیئے کہ تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں؟“

پرندوں کی ہجرت: پرندوں کی کتنی ہی ایسی اقسام ہیں جو موسم بدلنے پر ہزارہا میل دور چلی جاتی ہیں اور موسم نکل جائے تو واپس آجاتی ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اس دوہرے سفر میں چند گز بھی ادھر ادھر نہیں بھٹکتے۔ بٹیریں سائبیریا سے آتی ہیں اور مرغابیاں شمالی برفستانوں سے۔ ایک دفعہ ملایا میں ایک انگریز نے ایک نیل سر کو جال سے پکڑ کر اس کے پاؤں میں گھنگر و والا چھلا ڈال دیا اور اپنے تالاب میں چھوڑ دیا سال بعد اسی

تاریخ کو اسی وقت اسی تالاب میں وہ نیل سر پھر آ گیا۔ ❶

مچھلیوں کا سفر: مچھلیوں ❷ میں سے دو کا سفر بہت حیرت انگیز ہے۔

اول: سامن مچھلی۔ یہ اگر کسی ندی میں پیدا ہو تو جوان ہونے کے بعد یہ پہلے دریا میں اور وہاں سے سمندر میں چلی جاتی ہے۔ وہاں مدتوں رہتی ہے اور جب اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کی موت قریب آ گئی ہے تو وہ واپس چل پڑتی ہے۔ یہ سمندر سے دریا اور دریا سے ہوتی ہوئی ندی کے اس مقام پر جا رکتی ہے، جہاں وہ پیدا ہوئی تھی۔ اگر دوران سفر میں وہ کسی غلط ندی کی طرف مڑ جائے تو اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے اور واپس آ جاتی ہے۔

دوم: ایل مچھلی۔ یہ کسی ندی میں ہو یا دریا میں، جوان ہونے کے بعد اپنے وطن سے چل پڑتی ہے اور ہزاروں میل دور جزائر ❸ برمودا (اوقیانوس) میں چلی جاتی ہے۔ وہاں بچے دے کر مر جاتی ہے۔ یہ بچے وہاں سے چل کر اپنی ماں کے وطن میں آ جاتے ہیں اور وہاں سے پھر جزائر برمودا میں پہنچ کر پہلے بچے دیتے اور بعد ازاں مر جاتے ہیں۔ بتاؤ کہ ان مچھلیوں اور پرندوں کا رہبر کون ہے؟

اَمَّنۡ یَّهۡدِیۡكُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَنۡ یُّرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ (نمل:۶۳)

”بھلا وہ کون ہے جو بحر و بر کے اندھیروں میں تمہیں راہ دکھاتا ہے اور مینہ کی بشارت دینے کے لیے ہوائیں چلاتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے؟“

شہادت افلاک: ہمیں اپنی آنکھ سے صرف چھ ہزار ستارے نظر آتے ہیں۔ ان میں چاند، سورج اور نظام شمسی کے چند دیگر ستارے بھی شامل ہیں۔ آفتاب کے گرد گھومنے والے نو بڑے سیارے سورج سے کتنے دور ہیں؟ ان کا قطر اور حجم کیا ہے؟ اور رفتار گردش کیا؟

---

❶ Woorders of Creation.

❷ گریٹ ڈیزائن۔ ص 155۔ اور ”خدا ہمارے ساتھ ہے“ ص 58

❸ یہ جزائر انگلستان سے تقریباً چار ہزار میل مغرب اور واشنگٹن سے ایک ہزار میل مشرق میں واقع ہیں۔

اس جدول میں دیکھیئے:

سیارہ	سورج سے فاصلہ	گردش اپنے گرد	گردش سورج کے گرد	قطر/ چاند	زمین کے حجم سے مقابلہ
عطارد	تین کروڑ ساٹھ لاکھ میل	؟	880دن	3000میل0	0.04
زھرہ	چھ کروڑ بہتر لاکھ میل	؟	2247دن	7600میل0	0.81
زمین	نوکروڑ انتیس لاکھ میل	گھنٹے منٹ 56,23	1سال	7920میل/1	1.00
مریخ	چودہ کروڑ پندرہ لاکھ میل	37,24	10,88سال	4200میل/2	0.11
مشتری	اڑتالیس کروڑ تیس لاکھ میل	50,9	11,88سال	87600میل 12	317.9
زحل	اٹھاسی کروڑ ساٹھ لاکھ میل	14,10	29,46سال	71500میل 9	94.9
یورینس	ایک ارب اٹھتر کروڑ بیس لاکھ میل	45,10	24,1سال	31000میل 5	14.7
نیپ چون	دو ارب اناسی کروڑ تیس لاکھ میل	48,15	164,8سال	28000میل 2	17.2
پلوٹو	تین ارب سترسٹھ کروڑ میل	؟	247,7سال	3600میل	0.83

سورج زمین سے تین لاکھ تیتیس گنا بڑا ہے۔ اس کی وسعتوں میں دس لاکھ زمینیں سما سکتی ہیں۔ اسی حجم کی وجہ سے ایک آدمی کا وزن سورج پر 54 من ہو جاتا ہے۔ ❶

جرمنی ❷ کے ایک منجم نے دو سوانچ کی دُوربین سے آدھے آسمان کا چارٹ تیار کیا تھا۔ اس میں تین لاکھ ستاروں کا ذکر ہے۔

کیلیفورنیا (امریکہ) میں دو پہاڑوں پر نہایت طاقتور دُوربینیں نصب ہیں۔ ایک کا نام ماؤنٹ وِلسن ہے اور دوسری کا نام ماؤنٹ پلومر۔ ماہرینِ افلاک کا اندازہ یہ ہے کہ ماؤنٹ ولسن کی تصویر گیر دوربین سے ایک ارب ❸ ستاروں کی تصویر لی جا سکتی ہے۔ ان میں سے کچھ ستارے چار نوری سال ❹، کچھ دس، کچھ سو اور کچھ کئی لاکھ نوری سال کی مسافت پر ہوں گے۔

ہماری کہکشاں ❺ کے بعض ستارے زمین سے ایک لاکھ نوری سال دور ہیں۔ اس کہکشاں کا قطر ایک لاکھ نوری سال ہے اور یہ اپنے تمام ستاروں کو ساتھ لیے چھ لاکھ تیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ایک مرکزی کہکشاں کے گرد چکر کاٹ رہی ہے۔ خلا میں کئی ملین کہکشائیں ہیں۔ ہر کہکشاں میں کئی ارب ستارے ہیں۔ ماؤنٹ پلومر کی دو سوانچ والی دُوربین سے ایسی کہکشاؤں پر بھی نظر پڑی ہے جو ❻ زمین سے دو ارب نوری سال دور ہیں۔

---

❶ انسائیکلوپیڈیا آف پریکٹیکل اینڈ کلچرل انفارمیشن نیویارک (1962ء) ص 1081۔

❶ ایضاً ص 1087

❷ انسائیکلوپیڈیا آف پریکٹیکل اینڈ کلچرل انفارمیشن ص 1090

❸ ایضاً ص 1090

❹ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے۔ حساب لگائیے کہ یہ سال میں کتنا سفر کرے گی۔ بس یہی نوری سال ہے۔

❺ انسائیکلوپیڈیا آف پریکٹیکل اینڈ کلچرل انفارمیشن ص 1094

❻ ایضاً ص 1096

کیلیفورنیا[1] کا ایک منجم رابرٹ گرانٹ ایٹکن لکھتا ہے کہ آسمان کے مدھم ستاروں کی تعداد تیس ارب ہے۔ کہکشاؤں کی تعداد دس لاکھ ہے۔ ان میں سورج سے قریب ترین ستارہ دس لاکھ نوری سال کی مسافت پر واقع ہے۔ اور بعید ترین پندرہ کروڑ نوری سال کی مسافت پر۔ انطریس (Antares) ستارے کا قطر چالیس کروڑ میل ہے۔

سورج کے پاس روشنی کے اتنے بڑے بڑے خزائن ہیں کہ اگر یہ پندرہ ارب سال تک چمکتا رہے تو اس کی ایک فیصد روشنی کا صرف دسواں حصہ خرچ ہوگا۔

ان تفاصیل کا مطالعہ کرنے کے بعد ذہن میں تین سوال ابھرتے ہیں:

اول: افلاک کی ان بلندیوں پر، جہاں انسان کا وہم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ کروڑوں ستاروں کے قمقمے کس نے فروزاں کیے؟

دوم: ہمارے ہاں بے شمار انتظامات اور سائنسی آلات کے باوجود آئے دن ریل گاڑیاں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔ لیکن آسمانوں کے مہیب، برق رفتار اور اربوں ٹن وزنی کروں میں آج تک تصادم نہیں ہوا۔ ان کا انتظام کس کے ہاتھ میں ہے؟

سوم: بتی میں تیل نہ ڈالو تو وہ بجھ جاتی ہے۔ برقی پلانٹ بند ہو جائے تو سارا شہر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ آسمانی روشنیوں کا انتظام کون کس طرح کر رہا ہے کہ آج تک اس میں ذرہ بھر بھی فتور پیدا نہیں ہوا؟

فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ (الملک:۳)

''کائنات کو بار بار دیکھو۔ کیا تمہیں کہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟''

یہ امر ناقابل قیاس ہے کہ افلاک کا یہ حیرت انگیز نظام کسی ناظم کے بغیر چل رہا ہو۔

انسانی بدن کا مواصلاتی نظام: انسانی[2] بدن میں ایک نہایت پیچیدہ مواصلاتی

---

[1] فرانسس تھامپسن ''گریٹ ڈیزائن'' فلوریڈا۔ 1972ء ص 19-36

[2] ہیرلڈ ویلر: مریکل آف لائف۔ پہلا ایڈیشن ص 355۔359۔

نظام کام کر رہا ہے۔ اس کا مرکز دماغ ہے جس میں ایک ارب سیل (Cells) ہیں۔ ان سے بہت باریک تار نکل کر تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں جو ہر حصہ جسم کی ہر خبر آناً فاناً دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ اگر پاؤں پر کوئی کیڑا چڑھ آئے تو دماغ کو فوراً اطلاع ملتی ہے اور دماغ ہاتھ کو اسی وقت بزن کا حکم دیتا ہے۔ ہماری زبان دماغ کے ساتھ تین ہزار تاروں سے منسلک ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تین ہزار ذائقوں سے حظ اندوز ہو سکتی ہے۔ ہمارے کان میں ایک لاکھ سماعتی سیل (Cells) ہیں۔ آنکھ میں ایک سو تیس ملین آلات بینائی ہیں اور جلد میں اڑھائی لاکھ ایسے سیل ہیں جو سردی، گرمی، نرمی اور سختی کی خبر دیتے ہیں۔

کائنات میں دانش وحکمت کے اس قدر پہلو ہیں کہ اگر ہم ان تمام کی فہرست تیار کرنے بیٹھیں تو یہ کام ابدالآباد تک ختم نہ ہو۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ (لقمان:۲۷)

"اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں۔ سمندر سے سیاہی کا کام لیا جائے تو بعد ازاں سات اور سمندر بھی اس میں ملا دیئے جائیں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔"

ابتدائی خلیہ: ابتدائی خلیہ کو انگریزی میں امیبا کہتے ہیں۔ یہ سادہ ترین اور اولین زندہ مخلوق ہے۔ یہ صرف خوردبین سے نظر آتا ہے اور سمندروں میں ملتا ہے۔ تمام جاندار اسی کی ارتقائی صورت ہیں۔ انہی خلیوں [1] سے دل، جگر، کان، زبان اور دماغ بنا۔ دنیا کے

[1] خلیوں کی کئی اقسام ہیں اول: وائرس جو بیماری پیدا کرتے ہیں۔ ان کی تعداد ایک انچ میں دو لاکھ اسی ہزار ہوتی ہے۔ دوم: بکٹریا۔ جو عموماً گندے پھلوں وغیرہ میں پیدا ہوجاتا ہے یہ مضر بھی ہے اور مفید بھی۔ آج کل اس سے بیماریوں کا علاج بھی کیا جاتا ہے۔ اس کی تعداد ایک انچ میں دو لاکھ پچاس ہزار ہوتی ہے۔ سوم: حیوانی ونباتی اجسام کے بنیادی اجزائے تعمیر۔ ان کی تعداد ایک انچ میں عموماً بیس ہزار ہوتی ہے۔ (ا۔ سائنٹفک انسائیکلوپیڈیا۔ نیویارک۔ 1956ء ص159)

تمام سائنس دان مل کر بھی ایک کان یا دل نہیں بنا سکتے ۔ کہتے ہیں، کہ ایک دن ایک سائنس دان اپنے معمل میں کام کر رہا تھا کہ اس کی نظر اپنی بچی کے کانوں پہ جا پڑی ۔ کہنے لگا کہ اتنی پیچیدہ چیز کسی نقشے، منصوبے اور بے پناہ علم کے بغیر نہیں بن سکتی اور ساتھ ہی پکار اٹھا۔

He who planted ears shall he not hear.❶

''جس اللہ نے کان لگائے ہیں۔ کیا وہ خود سماعت سے محروم ہے؟''

ہم اپنے گرد و پیش ایک عظیم منصوبہ اور ایک حیرت انگیز پلان کار فرما دیکھتے ہیں جو کسی حکم کی حکمت و دانش پہ شہادت دے رہا ہے۔ یہ حکیم ان خلیوں سے یوں دل و جگر بنا رہا ہے جیسے کوئی معمار اینٹوں سے مکان تیار کرتا ہو۔

جذبات: انسانی جذبات ایک نہایت پیچیدہ و پر اسرار تخلیق ہیں۔ زندگی میں دلربائی و رعنائی انہی کی وجہ سے ہے۔ سوچیئے کہ اگر انسان محبت، مسرت، رحم، وفا، خواہش، انتظار، حیا اور غصہ و نفرت کے جذبات سے محروم ہوتا تو زندگی کس قدر بے کیف و بے مزہ ہو جاتی۔ ان جذبات کا منبع و مصدر دل ہے۔ اور دل کا خالق اللہ۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ (الملك:۲۳)

''انہیں کہو کہ اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا۔ کان، آنکھ اور دل کی نعمت سے نوازا۔ لیکن تم ان نعمتوں کا بہت کم شکریہ ادا کرتے ہو۔''

اعجاز وراثت: کائنات میں جانوروں کی کروڑوں اقسام ہیں۔ ہر ایک کی ہیئت، عادات و خصوصیات دوسری سے الگ ہیں۔ یہ خصوصیات پر اسرار طریقوں سے اُن کی اولاد میں منتقل ہو رہی ہیں۔ ہرن کا بچہ ہرن بنتا ہے اور گیدڑ کا بچہ گیدڑ۔ کبوتر کے انڈے سے کبوتر نکلتا ہے اور کوے کے انڈے سے کوا۔ کوے کا بچہ جوان ہو کر اپنے والدین کا پورا مثنیٰ ہوتا

---

❶ ... 158

ہے۔ وہی اچھل کود، وہی چھین جھپٹ، وہی چوکنا پن اور وہی کائیں کائیں۔ ماہرین حیات نے طویل تجربہ و مشاہدہ کے بعد معلوم کیا ہے کہ خون کے چند خوردبینی اجرام والدین کی خصوصیات کو اولاد میں منتقل کرتے ہیں ❶ یہ کروموسوم (Chromosomes) کہلاتے ہیں۔ جب مرد و زن کے اختلاط سے سپرم (نر کا تولیدی مواد) اووم (مادہ کے رحم میں ایک انڈہ) سے ملتا ہے تو اس آمیزہ میں کروموسوم کی تعداد اڑتالیس ہوتی ہے۔ دیگر جانداروں میں ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ یہ انہی اجرام کا اثر ہے کہ حبشی کہیں بھی ہو اس کی اولاد کالی ہوگی۔ ٹھگنے کی ٹھگنی اور لمبے کی لمبی۔ جسمانی خصوصیات کے علاوہ والدین کی عادات، اخلاق اور امراض بھی اولاد میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ دق، دمہ اور آتشک وغیرہ کے مریض والدین یہی بیماریاں اپنے بچوں کو بھی دے جاتے ہیں۔ میں ایک ایسے باپ کو جانتا ہوں جو بات کرتے وقت دائیں آنکھ کو بار بار بند کر لیتا تھا اور یہی بات اس کے ایک بیٹے میں بھی آگئی۔

میں ایک ایسے گھرانے سے بھی واقف ہوں۔ جہاں آدھے بچے گونگے ہیں اور آدھے بولتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے والدین میں سے ایک گونگا تھا۔

وراثت کا یہ سلسلہ اتنا ہمہ گیر اور اٹل ہے کہ اس کی زد سے بچ نکلنا مشکل ہے۔

اندھے بچے: بعض بچے پیدائشی اندھے ہوتے ہیں۔ اس سے بعض ہندو فلسفیوں کو یہ گمان گزرا کہ یہ اندھا پن پچھلے جنم کے کسی عمل کی سزا ہے۔ بات یوں نہیں۔ ماہرین جنین کہتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں کسی حادثے کی وجہ سے بچے اندھا ہو جاتا ہے اور کسوف و خوف سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سراپا رحمت ہے۔ وہ کسی سے نظر نہیں چھینتا۔ دیکھتے نہیں کہ کائنات میں ہر طرف عدل ہی عدل ہے۔ کائنات کی بناء خیر پر رکھی گئی ہے۔ ارض و سما کی ہر چیز ممد حیات ہے۔ سمندر بادل بنا رہے ہیں، پہاڑ ہواؤں کو روک رہے ہیں، سورج پھل پکا رہا ہے اور چاند پھلوں میں رس ڈال رہا ہے۔ جب کائنات میں کہیں بھی شر موجود

❶ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مریکل آف لائف ص 340 اور ''خدا ہمارے ساتھ ہے'' ص 107

نہیں تو پھر کسی بے کار آدمی کے افلاس، پیدائشی اندھے پن یا گناہ کے نتائج کو خدا کی طرف منسوب کر کے اسے ظالم کہنا کم نظری اور سطحیت کی انتہا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جیل میں چند قیدیوں کو دیکھ کر کوئی کہے کہ حکومت پاکستان بڑی ظالم ہے۔ جس نے انسانوں کو سلاخوں کے پیچھے بند کر رکھا ہے۔ یا ملک کے ان پڑھوں کو دیکھ کر اس فیصلے پہ پہنچے کہ حکومت تعلیم سے روکتی ہے۔ جب یہ لاتعداد درخت، پودے، مویشی، جانور، جنگل، پہاڑ، دریا، سمندر، پھول اور تارے سب کے سب ہمیں سکھ پہنچا رہے ہیں۔ بعض پودوں کا کڑوا رس ہماری بیماریوں کو دور کر رہا ہے۔ کڑوی مرچ ہماری غذا کو لذیذ بنا رہی ہے۔ کڑوی کونین سے ملیریا مر رہا ہے۔ تو پھر کائنات کی کڑواہٹوں پہ اعتراض کیا معنی؟ یا آج کیمیائی تجربہ گاہوں میں سانپ اور بچھو کے زہر سے بھی تریاق تیار ہو رہے ہیں تاکہ اگر کوئی آدمی اپنی جہالت وحماقت سے کوئی مہلک مرض خرید لے تو اس کا علاج بھی ہو سکے۔ یہ کائنات از سر تا پا خیر ہے۔ اس کی تلخیاں بھی نعمت ہیں اور آلام بھی لذت، اس کی صبحیں بھی حسین اور شامیں بھی جمیل، اس کے چمن بھی دلکش ہیں اور صحرا بھی حسن آفریں ہیں، کیونکہ اس کا خالق ہمہ حسن اور ہمہ خیر ہے۔ اسے بے انصاف کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سورج کو سیاہ اور نور کو ظلمت کہہ دے۔

اعجاز انہضام: انسان کا نظام ہضم اتنا پیچیدہ اور حیرت انگیز ہے کہ صدیوں کے مشاہدہ وتجربہ کے باوجود ماہرین ابدان اسے سمجھ نہیں سکے۔

جب [1] غذا منہ میں پہنچتی ہے تو پہلے دانت اسے چباتے اور پھر چھ گلینڈ اس میں لعاب شامل کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک جوڑا کانوں کے نیچے دوسرا زبان کی جڑ میں اور تیسرا نچلے جبڑے کے نشیب میں ہے۔ ان سے ایک سیر لعاب روزانہ خارج ہوتا ہے۔ لعاب میں ایسے کیمیائی عناصر شامل ہیں جو غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ جب غذا

---

[1] مریکل آف لائف ص339

معدے میں پہنچتی ہے تو معدہ کے گلینڈ اس میں گیسٹرک فلوئڈ شامل کر دیتے ہیں۔ پھر جگر اس پر تیزاب نچوڑتا ہے۔ اس کا روزانہ اخراج اڑھائی پونڈ کے قریب ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ غذا پتلی ہو کر انتڑیوں میں چلی جاتی ہے۔ سیاہی چوس کی طرح انتڑیوں کی سوراخ دار اور کھردری دیواریں شکر، نشاستہ، حیاتین اور دیگر مفید اجزاء کو چوس کر خون میں پہنچا دیتی ہیں اور ناکارہ مواد کو باہر پھینک دیتی ہیں۔

دست غیب کا کمال دیکھیئے کہ ہر حصۂ جسم تک غذا کا وہی جزو پہنچاتا ہے جس کی وہاں ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً ناخن وہی عناصر قبول کرتے ہیں جن سے ناخن بڑھیں۔ یہی حال دانتوں، بالوں، ہڈیوں اور پٹھوں کا ہے۔ یہ نظام اتنا مکمل اور بے عیب ہے کہ اگر وہ دست غیب نظر آ جائے تو جبینیں اس کے سامنے سجدہ ہائے نیاز کا انبار لگا دیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۝۶

(جاثیہ:۶)

''اللہ کی ہستی پہ یہ محکم دلائل ہم تمہاری راہ نمائی کے لیے بیان کر رہے ہیں۔ یہ لوگ خدا اور اس کی آیات (براہین و شواہد) کے بعد اور کس بات پہ ایمان لائیں گے؟''

خدا کہاں سے آیا؟

منکرین خدا کا موقف ہے کہ ہر شے خود بخود پیدا ہوئی ہے۔ بایں دلیل کہ اگر خدا کا خالق کوئی نہیں تو دیگر اشیاء کا کیوں ہو؟ اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ ہمارے فہم و ادراک کا دائرہ بہت محدود ہے۔ اس کائنات میں ایسے لاتعداد حقائق موجود ہیں جن کو سمجھنے سے ہم قاصر ہیں۔ ہمارے جسم پر بال کیسے اگتے ہیں، ناخن کیسے بڑھتے ہیں، آنکھ کیسے دیکھتی ہے؟ روح کیا چیز ہے، یہ کہاں سے آتی اور کہاں چلی جاتی ہے؟ پہلے انڈا تھا یا مرغی؟ اگر مرغی تھی تو وہ کہاں سے آئی تھی؟ پہلا کبوتر، پہلا کوا، پہلا ہرن اور پہلا درخت کہاں سے نازل ہوا

تھا؟ ب ہماری ناقص عقل ان چھوٹے چھوٹے مسائل کو حل نہیں کر سکتی تو وہ کائنات کے سب سے بڑے راز یعنی خدا کو کیسے سمجھ سکتی ہے؟ ہمارا کام صرف اتنا ہی ہے کہ کائناتی آیات وشواہد پہ غور کرنے کے بعد ہم ایک ہمہ دانش خالق کا وجود تسلیم کریں، رہا یہ سوال کہ وہ خالق کہاں سے آیا تھا۔ اس کے جواب کے لیے ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا پڑے گا جب آنکھوں سے حجاب اُٹھ جائیں گے۔ ہر حقیقت جلوہ گر ہو گی اور کوئی راز راز نہیں رہے گا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾

(ق:۲۰ تا ۲۲)

"فرشتوں نے ناقوس پھونکا اور روز وعدہ (قیامت طلوع) ہو گیا۔ ہر فرد محشر میں بایں حال وارد ہو گا کہ اس کے ہمراہ ایک ہانکنے والا ہو گا اور ایک گواہ بھی۔ تم اس صورت حال سے بے خبر تھے۔ سو آج ہم نے تمام حجابات اٹھا دیئے ہیں اور اب تمہاری نگاہ بہت تیز ہو گئی ہے۔"

نگاہ کی اس تیزی کا انتظار فرمایئے۔

باب سوم

مذہب کی ضرورت

مذہب سے مراد وہ روحانی دانش اور اخلاقی حکمت ہے جو ابن آدم کو اللہ نے انبیاء کی وساطت سے دی تھی۔ انسان دنیا میں کس طرح رہے؟ دوسروں سے اس کے روابط کیسے ہوں؟ مقصد حیات کیا ہو؟ حصول عظمت کے لیے کون سے طریقے استعمال کرے؟ کس چیز کو خیر اور کس کو شر سمجھے؟ اور اپنے خالق و مالک سے کس قسم کے روابط رکھے؟ یہ ہیں وہ مسائل جن پر انسان نے صدیوں سوچا۔ اس کے دانش وروں اور فلسفیوں نے مدتوں دماغ لڑایا۔ لیکن وہ کسی یقینی نتیجہ تک نہ پہنچ سکے۔ یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے بن کہے ہمیں فلاح وعظمت کے تمام راز بتا دیئے، خیر وشر کی تفصیل سمجھا دی، منزل کی راہ دکھلا دی اور ہمیں یہ بشارت بھی دی کہ اے لوگو! تم میں سے جنہیں اپنی محنت، صلاحیت اور پیہم عمل کا یہاں کوئی صلہ نہیں ملا۔ خوش ہو جاؤ کہ آگے بھی ایک دنیا ہے جہاں ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۚ

(یونس:۴)

''تم سب کی بازگشت اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اسی نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اور وہی اس عمل کو دہرائے گا۔ تا کہ اچھے کام کرنے والے اہلِ ایمان کو پورا پورا بدلہ دے۔''

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

(المومن:۱۷)

''قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا اجر ملے گا۔ کسی پہ کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یاد رکھیئے کہ اللہ حساب میں بڑا تیز ہے۔''

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ (العمران:۱۸۵)

''قیامت کے روز تمہیں اپنے اعمال کا پورا پورا اجر مل جائے گا۔''

کون نہیں چاہتا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ تمام مصائب وحوادث سے محفوظ ہو۔ اسے نہ گرمی ستائے، نہ سردی، نہ بیماری، نہ بڑھاپا اور وہ جو چیز چاہے، اسے فوراً مل جائے۔ اللہ کی یہ کتنی بڑی نوازش ہے کہ اس نے ہمیں ایک ایسی زندگی کی بشارت دی جہاں یہ سب کچھ موجود ہوگا۔ لیکن اس منزل کے حصول کے لیے ہمیں سراپا عمل بننا ہوگا۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (النحل:۳۱)

''یہ لوگ ایسے خزاں نا آشنا باغات میں داخل ہوں گے۔ جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ اور وہ جو چاہیں گے (خواہ وہ اللہ کا قرب ہو یا حور وقصور یا دیگر نعمتیں) انہیں مل جائے گا۔ اللہ اہل تقوے کو اسی طرح جزاء دیتا ہے۔''

وہ نامراد لوگ جنہیں اپنی محنت کا کوئی صلہ نہیں ملا۔ جن کی علمی وجسمانی صلاحیتوں کو محض اس لیے نظر انداز کر دیا گیا کہ وہ غریب خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور رشوت و سفارش کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی امید آخرت ہے۔ اگر کائنات کی بنیاد عدل پہ رکھی گئی ہے۔ تو پھر وہ عدل مجسم یعنی خالق کائنات کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ نمرود و فرعون تو اورنگ جہانبانی پہ متمکن ہوں اور خلیلؑ وکلیمؑ کو ایک کاشانہ تک میسر نہ آئے۔

موت اور مذہب: مذہب نے ہر زمانے میں انسان کو یہ بشارت دی کہ موت کے ساحل سے آگے ایک غیر فانی زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کی منتظر ہے۔ جہاں ایک راحت و سکون اس زندگی کی تمام قباحتوں کی تلافی کر دے گا [illegible]

عطا کیا ہے کہ کروڑوں انسان اس کا خیر مقدم کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔

امریکہ کا مشہور فلسفی ولیم جیمز ❶ آغاز میں آخرت کا منکر تھا لیکن بڑھاپے میں معتقد ہو گیا۔ اور دلیل یہ دی کہ انسان بڑھاپے میں علم و دانش کی بلندیوں پہ پہنچ جاتا ہے اور ایک نیا شعور حاصل کر لیتا ہے۔ اللہ ان باکمال لوگوں پہ زندگی کا دروازہ بند نہیں کرے گا۔ موت سے آگے ایسی اقالیم ہونی چاہئیں۔ جہاں یہ اپنی صلاحیتوں کو کام میں لا کر نئی بلندیوں کو سر کر سکیں۔ یہ بلندیاں اس خفیہ براعظم میں ہیں، جو ہمارے حاشیۂ خیال سے پرے واقع ہے۔ انسان میں بقا کی آرزو فطری ہے۔ اس مقصد کے لیے کوئی کتابیں لکھتا، کوئی عمارات و تصاویر بناتا، کوئی عبادت کرتا اور کوئی گیت تراشا ہے۔ کائنات میں بے اندازہ معقولیت ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ موت کی ایک پھونک سے شمع حیات گل ہو جائے گی یا انسان چند جملے بول کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے گا، بہت نامعقول سی بات ہے۔ ❷

جو ہر ہستی عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح (اقبالؒ)

قانون جزا و سزا: کائنات کی طرح روح انسان میں بھی قانون عدل پایا جاتا ہے جو بعد از عمل فوراً جزا و سزا کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اچھا کام کرنے کے بعد انسان کو علو و عظمت اور گناہ کے بعد پستی و ذلت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اس عدل کے مختلف نام ہیں۔ کہیں یہ صداقت کہیں محبت اور کہیں حسن کہلاتا ہے۔ جب کوئی شخص عدل سے دور ہو جاتا

---

❶ ولیم جیمز (1842-1910ء) نیو یارک میں پیدا ہوا۔ ہارورڈ میں تعلیم پائی۔ اس کا خاص موضوع روحانیات تھا۔ اس کی ایک کتاب ان بیس خطبات پہ مشتمل ہے۔ جو اس نے لنڈن میں دیئے تھے۔ اس کا اردو ترجمہ خلیفہ عبدالحکیم نے ''نفسیات واردات روحانی'' کے نام سے کیا تھا۔

❷ واردات روحانی

ہے تو اس کا ماحول سکڑتا اور اس کی حیات سے موت کے سانپ لپٹ جاتے ہیں۔ عدل میں نسیم بہار کی تازگی، سمندروں کی توانائی، آسمانوں کی عظمت اور خلاؤں کی وسعت پائی جاتی ہے۔ یہ انسان کی معراج ہے، جو اسے لامحدود بنا دیتی ہے۔ جب کوئی آدمی اللہ کی آواز سن کر نیک عمل کرتا ہے تو عقل بریں کے سریلے گیت اس کی روح میں گونجنے لگتے ہیں۔ اس کی شخصیت میں تقدس آ جاتا ہے۔ اور اس کے اعمال و عقائد میں توازن، حسن اور عدل پیدا ہو جاتا ہے۔

مذہبی اعمال: ایک لا مذہب انسان کے اعمال نفسانی خواہشات کے دباؤ سے سرزد ہوتے ہیں اور ان کا مقصد پست اغراض کی تسکین ہوتا ہے بس۔ دوسری طرف مذہب کا انحصار اس یقین پر ہے کہ اس زندگی کے کچھ غیر مرئی پہلو بھی ہیں اور ہماری فلاح و کامرانی اسی میں ہے کہ ہم اس غیر مرئی دنیا کے ساتھ اپنے روابط استوار کریں۔ اس یقین کے تحت جو اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ مذہبی کہلاتے ہیں۔ ہمارے بیشتر عقائد کا تعلق بھی مجرد تصورات ہے۔ مثلاً یہ یقین کہ پیکار حق و باطل میں حق ہمیشہ غالب رہے گا۔ ہر عمل کے ساتھ اس کا صلہ یوں بندھا ہوا ہے جیسے آگ کے ساتھ سوزش، وقس علی ہذا۔ گو ان تصورات کا محسوسات سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ہماری زندگی پر ان کا اثر بہت گہرا ہے۔ نیکی، حُسن، توانائی اور عدل سب مجرد تصورات ہیں، جو ہمارے اعمال کے محرک ہیں۔ درست کہا تھا امریکہ ک مشہور فاضل ایمرسن (1) (1803-1882ء) نے کہ انسانی زندگی ایک کشتی ہے، جو تصورات کے سمندر میں تیر رہی ہے۔

با مذہب کا کردار: مذہبی طرز حیات میں وقار، متانت اور سنجیدگی ہوتی ہے۔ با مذہب انسان کی خوشی میں مسخرا پن نہیں ہوتا اور نہ غم میں اضطراب۔ وہ اس حقیقت پہ ایمان رکھتا ہے کہ مصائب خدا کی تخلیق ہیں۔ اور انسان کائنات کا ایک جزء ہے۔ اس جزء پر کوئی ایسی

کیفیت یا مصیبت وارد نہیں ہو سکتی، جو کُل کے لیے مفید نہ ہو۔ جب کسی شخص کی روح اللہ کے نور سے منور ہو جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو خیر اعلیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کی روح اندیشہائے لذت والم سے آزاد ہو جاتی ہے۔ جب انسان کو خیر ازلی کے سوا کسی اور نعمت کی خواہش نہ رہے تو وہ فردوسی راحت کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔

صداقت مذہب کا معیار: صداقت مذہب کا سب سے بڑا معیار روحانی مسرت ہے۔ اگر کسی عمل سے آپ کی روح مسرور نہ ہو تو وہ غیر مذہبی عمل ہے۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ چیز بٹھا دی جائے کہ وہ خدا کے اندر اس کی حفاظت میں رہ رہا ہے تو وہ ہر مشکل سے نکل جائے گا اور ہر حالات میں خوش رہے گا۔ ہر نبی نے ہمیں کہا تھا کہ انسان اللہ کی اولاد ہیں۔ وہی سب کا خالق و مربی ہے۔ باپ اولاد کا بدخواہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی وقت باپ بیٹے کو سزا دیتا ہے تو اسے لازماً بیٹے کی بھلائی منظور ہوتی ہے۔ یہی حال خدا کا ہے۔ اس کی طرف سے آئی ہوئی ہر مصیبت کسی راحت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ بعض فلسفی غم سے بھی لذت حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں [1] کہ جو لذت احساس غم میں ہے وہ کہیں اور نہیں ہے۔ نہ جانے دنیا کب لذت الم کی طرف متوجہ ہو گی۔

مذہب کا ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ یہ ایک جذبہ ہے۔ جب اس میں شدت پیدا ہو جائے تو دکھ کا احساس نہیں رہتا۔ کتنے ہی محبان انسانیت ہنستے کھیلتے دار پہ چڑھ گئے، کوئی آگ میں جلا، کوئی آرے سے چیرا گیا لیکن ان کی جبیں پہ شکن تک نہ آئی۔ اس جذبے کا ایک اور نتیجہ یہ کہ جب زندگی کی کسی منزل پہ تشکیک اور شوق گناہ کے سیاہ بادل روح کی فضا پہ چھانے لگتے ہیں تو جذبۂ ایمان کی تیز ہوائیں اُنہیں اڑا لے جاتی ہیں۔ جب انسان بچپن کی حدود سے نکل کر بلوغ کی منزل میں داخل ہو رہا ہوتا ہے تو وہ شدید ہیجانات کی زد میں آ جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ہیجان بگولے کی طرح اٹھتا ہے۔ لیکن ایمان ان بگولوں کا رخ پلٹ دیتا ہے۔

---

[1] واردات ص 141

فکر بلند: انسان کی ذہنی صحت کے لیے فکر بلند نہایت ضروری ہے۔ اگر فکر کی لہر کسی عظیم نصب العین کی وادی میں بہہ رہی ہو تو وہ اپنے بہاؤ کا راستہ خود تراش لے گی اور ہم ان نئی نئی منازل کی طرف بلا رکاوٹ بڑھتے جائیں گے، جو ہمارے ذہنی افق سے ابھریں گی۔ اگر ہم ادنیٰ عالم محسوسات سے نکل کر ایک بلند تر روحانی دنیا میں سکونت اختیار کر لیں تو فیوض سماوی ہماری طرف یوں لپکیں گے جیسے ٹھنڈی ہوا گرم صحرا کی طرف۔

بیمار ذہن: بیمار ذہن کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ زندگی کے یکساں لیل و نہار سے اکتا جاتا ہے۔ اور اس اکتاہٹ کا علاج یا تو رنگ و رامش سے کرتا ہے یا نا ؤ نوش سے اور یہ دونوں علاج اس کے اضطراب میں مزید اضافہ کا باعث بن جاتے ہیں۔ مشہور جرمن فلسفی گوئٹے (1749۔1832ء) نے کہا تھا:

> ''تیری زندگی میں چار ہفتے بھی ایسے نہیں گزرے جو دکھ سے خالی ہوں۔ میری زندگی اس شخص کی سی تھی، جو پہلے چٹانوں کو کاٹ کر نیچے لائے اور پھر عمر بھر انہیں اوپر لے جاتا رہے۔ ❶

ایک دفعہ لوتھر (1483۔1546ء) نے کہا تھا کہ میں جینے سے اتنا بیزار ہو گیا ہوں کہ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میرے زہر کھانے سے کل قیامت آ جائے گی تو میں کھا لوں گا۔ ایک دن لوتھر کی بیوی نے اسے دعا دی کہ تم چالیس سال اور زندہ رہو، تو کہنے لگا کہ یہ اتنی بڑی سزا ہے کہ چالیس سال جہنم میں جلنا اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ ❷

بیمار ذہن کی چند اور علامات بھی ہیں۔ مثلاً حسد، عداوت، غصہ، بدخواہی، بداخلاقی، چڑچڑاپن، نفرت، کاہلی، بخل، تنگ دلی وغیرہ۔ ان تمام کا علاج علمی و روحانی اشغال۔ مثلاً مطالعہ، عبادت، محویت اور خدا و خدائی میں تفکر سے ممکن ہے۔

---

❶ واردات ص141

❷ واردات ص198

امریکہ دنیا کا نہایت ترقی یافتہ اور متمول ملک ہے۔ وہاں ہر شخص کے پاس کار ہے۔ اور ناؤنوش کی تمام سہولتیں بھی میسر۔ لیکن اکتاہٹ کا یہ عالم کہ 1962ء کے آخری چھ ماہ میں ریاست کیلیفورنیا کے پانچ لاکھ باشندوں نے خودکشی کی تھی۔ ❶ درست کہا تھا امریکہ کے فلسفی ولیم جیمز (1842-1910ء) نے:

''ہماری تہذیب ایک قصاب خانہ ہے۔ جو دنیا کو شر کی طرف بلا کر ذبح کر رہی ہے۔'' ❷

ٹالسٹائی (1828-1910ء) کہتا ہے کہ خدا پہ دوبارہ ایمان لانے کے بعد میرے باطن میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ مجھے متاعِ دنیا سے کوئی محبت نہ رہی اور انسان سے محبت بڑھ گئی۔ میں اپنے اعداء کو تلاش کرنے لگا تاکہ انہیں معاف کروں اور لوگوں کو راہ راست پہ لانے کے لیے ہر دکھ برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میری روح میں تجلّیات کا آشیانہ ہے اور مجھ پر روح القدس کا نزول ہو رہا ہے۔ ❸

ایک اور مغربی صاحب دل کہتا ہے۔ ❹ میں گناہ کے بوجھ کے نیچے دب گیا تھا اور افسردہ رہتا تھا۔ جب کوئی اور راستہ نظر نہ آیا تو میں نے اللہ سے رحم و کرم کی التجا کی۔ رفتہ رفتہ مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ گناہ کا بوجھ کم ہو رہا ہے اور میری روح محبت کی آگ میں جلنے لگی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد تمام ظلمتیں چھٹ گئیں۔ دل جذبات شکر سے لبریز ہو گیا۔ دنیا حسین نظر آنے لگی۔ زندگی میں شیرینی آ گئی۔ روحانی بصارت صاف ہو گئی۔ روح القدس نے میری روح کو مکمل طور پہ بدل دیا اور میری زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکلے:

---

❶ پاکستان ٹائمز۔اشاعت 7 مئی 1964ء

❷ واردات ص240

❸ واردات ص371

ے میرے مالک! تو ہی میری ڈھال، میری چٹان اور میرا حصار ہے۔ تو ہی
ی زندگی، میرا حال اور مستقبل ہے۔ آگے بڑھ کر مجھے اپنی پناہ میں یوں لے
جیسے بہار ایک خزاں رسیدہ چمن کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔''

ہتے ہیں کہ مذہبی زندگی کے انفرادی و اجتماعی نتائج تاریخِ انسانی کے بہترین
ں میں شمار ہوتے ہیں۔ زندگی کی کتنی ہی بلندیاں ہیں جن تک انسان عقیدت،
عشق اور تسلیم و رضا کے پر لگا کر پہنچا۔ مذہب بلندیوں کی راہ ہے اور لا مذہبیت
ی۔ یہی وہ آنکھ ہے جو اس ربط کو جو تمام زمانوں اور دنیاؤں کا رشتہ بند ہے دیکھ سکتی
جس سے زندگی کے تضادات میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

دعا و محویت: دعا کیا ہے؟ انسانی روح کا، روح کائنات سے ہم آہنگ ہو کر نغمے
اور اسے مدد کے لیے بلانا۔ ایک انگریز کہتا ہے:

''میں جب کبھی طبیعت میں انقباض محسوس کرتا ہوں تو کائنات کی اساسی
حقیقت کا سہارا لیتا ہوں۔ میں نے اسے ہمیشہ غمگسار پایا۔ میرے لیے یہ
حقیقت مسرت کا سرچشمہ تھی۔ لیکن کچھ عرصہ ہوا میں نے دعا چھوڑ دی۔ چنانچہ
اس سرچشمۂ مسرت سے میرا رابطہ منقطع ہو گیا۔ اور میری زندگی کی نس نس میں
زہر بھر گیا۔ اب میرے سامنے ایک بھیانک خلا پھیلا ہوا ہے جسے دیکھ کر
خوف آتا ہے۔'' [1]

دعا میں بڑی لذت ہے۔ اس سے زیادہ لذت محویت میں ہے۔ یعنی ذات
خداوندی کے تصور میں ڈوب جانا۔ ایک پادری کہتا ہے کہ ایک شام میں ایک پہاڑی پہ بیٹھ
کر حسن فطرت کا تماشہ کر رہا تھا کہ روح میں انشراح پیدا ہو گیا، اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ
میری ہستی پھیل کر لامتناہی ہو گئی ہے۔ اس میں ساری کائنات ڈوب رہی ہے اور میں خدا

[1] واردات ص 93

سے ہم آغوش ہو کر ایک رنگین افق کی طرف پرواز کر رہا ہوں۔ ❶

مذہب اور عصر جدید: ماڈرن انسان کا خیال یہ ہے۔ کہ مذہب اس دور کی یادگار ہے۔ جب انسان توہم پرست اور علم سے بے گانہ تھا۔ اس نے بجلیوں، زلزلوں اور سیلابوں کے لیے مختلف دیوتا تراش رکھے تھے جنہیں خوش رکھنے کے لیے وہ چڑھاوے چڑھاتا اور گڑگڑاتا تھا۔ لیکن عصر رواں کے متمدن انسان کو ایسے مذہب کی ضرورت نہیں۔

مذہب پہ یہ تبصرہ از بس جاہلانہ، سطحی اور بے بصرانہ ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ زندگی کہاں جا رہی ہے؟ اس منزل کی شاہراہ کون سی ہے؟ ہم دنیا میں کن اصولوں کے تحت زندگی بسر کریں کہ دوسروں کے حقوق پہ زد نہ پڑے۔ دوسروں سے ہمارے روابط کیا ہوں؟ مسرت، عظمت اور توانائی کن مآخذ سے حاصل ہوتی ہے؟ ہے کوئی عالم یا فلسفی جو ان سوالات کا جواب دے سکے؟ صرف آسمانی صحائف ان مسائل پہ روشنی ڈال سکتے ہیں۔ وہ نظر جس سے قوس قزح کی رنگینیوں میں حسن ازل نظر آتا ہے، سائنس کے پاس موجود نہیں۔ یہ صرف مذہب سے ملتی ہے۔ نفس کو ایک حقیقت سمجھ کر اس کی گہرائیوں میں اتر جانا ایک نتیجہ خیز انداز تحقیق ہے، نہ کہ دقیانوسی انداز فکر۔ نیاز و گداز اور مستی و مسرت کا منبع نفس ہے۔ جو علم، فکر اور عبادت سے بیدار ہوتا ہے۔ سیرت و کردار کی تعمیر بھی مذہب ہی سے ممکن ہے۔ مذہب ہی ہمیں بتاتا ہے کہ یہ مرئی عالم ایک وسیع تر غیر مرئی و روحانی عالم کا جزء ہے۔ جس کے ساتھ دعا و عبادت سے رابطہ پیدا ہوتا ہے اور اسی رابطہ سے ہمیں عظمت و مسرت کا احساس ہونے لگتا ہے۔

ہر انسان میں دو نفس ہیں نفس امارہ جو شر کی طرف بلاتا ہے اور نفس لوامہ۔ جو گناہ پہ ملامت کرتا ہے۔ اگر نفس امارہ دب جائے تو نفس لوامہ میں ایک نئی تبدیلی آ جاتی ہے کہ وہ نفس مطمئنہ کہلانے لگتا ہے۔ جوار یزداں میں قیام اسی نفس کو حاصل ہوتا ہے اور جنت کی بہاروں میں یہی داخل ہوتا ہے۔

---

❶ واردات ص 99

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾ (الفجر: ۲۷ تا ۳۰)

''اے مطمئن نفس! تو اپنے رب کے پاس اس حال میں واپس جا کہ وہ تم سے خوش ہو اور تم اس سے خوش۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہو کر میری بہشت میں داخل ہو جا۔''

سائنس ان اسرار سے نا آشنا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق مادیات سے ہے اور غیر مرئی زندگی اس کی گرفت سے باہر ہے۔

ایمان کا پھل: صفات جمیلہ کا حصول، روحانی بلندیوں کی طرف پرواز، اللہ کے حضور ذوق جبیں سائی اور بقائے روح کا یقین، سب ایمان کے ثمر ہیں۔ جب تک انسان اپنے عزائم کو تعلیمات الٰہیہ سے ہم آہنگ نہ کر لے۔ اسے سکون نہیں مل سکتا۔ ایک پرسکون زندگی صرف خدا پرستانہ ماحول ہی میں ممکن ہے۔ اگر آج ایمان دنیا سے اٹھ جائے تو تہذیب کا جنازہ نکل جائے۔ ہر چار سو بدی کے عفریت ناچنے لگیں اور انسان درندہ بن کر انسان کو کھا جائے۔

آج مشرق و مغرب میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ یعنی کمزور اقوام کے خلاف سازشیں، ان کا استحصال، ان پر فکری، سیاسی و اقتصادی یلغار، یہ ہپی، یہ فحاشی، یہ نا ؤ نوش، یہ اضطراب، یہ خودکشی کی وبا، یہ ٹوٹے ہوئے گھرانے اور آوارہ بچے یہ سب لا مذہبیت کے کرشمے ہیں۔

27 / مارچ 1973ء کی صبح کو سوا چھ بجے بی۔ بی۔ سی نے یہ خبر سنائی:

'''آج برطانیہ کے ایک شہر نوٹنگھم میں پچاس ہزار افراد نے حمل گرانے کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ ہسپتالوں سے جمع کردہ اعداد بتاتے ہیں کہ 1972ء میں 159250 حمل گرائے گئے تھے۔ یہ سب کنواری لڑکیوں کے تھے۔ روزانہ اوسط 450 بنتی ہے۔ یہ ان بچوں کے علاوہ تھے جنہیں یا تو دوشیزہ

ماؤں نے خود رکھ لیا تھا۔ اور یا سرکاری پرورش گاہوں میں بھجوا دیا تھا۔''

اے اہل مغرب! یاد رکھو کہ جب تم اللہ کی طرف واپس نہیں جاؤ گے۔ تمہیں وہ فردوسی سکون کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ جس کی تمہیں تلاش ہے، اور جو تم سے یوں بھاگ رہا ہے جیسے اندھیروں کے آگے آگے روشنی۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾ (الزمر: ۶۱)

''اللہ نیک لوگوں کو کامیابی کے ساتھ ہر مشکل سے نکال لے جاتا ہے۔ انہیں نہ کوئی دکھ ستا سکتا ہے اور نہ غم''

By fractising virtue we can by and by ascend to a horizon where we are blessed with His vision. (Trine)

''نیکی کرنے سے ہم رفتہ رفتہ ایک ایسے افق پہ پہنچ جاتے ہیں جہاں سے ہمیں اللہ نظر آنے لگتا ہے''

کیا تمہیں اس افق پہ پہنچنے کی تمنا نہیں؟

اوکسفرڈ گروپ

یہ 1930ء کی بات ہے کہ اوکسفرڈ یونیورسٹی کے چند اساتذہ نے اوکسفرڈ گروپ کے نام سے ایک مجلس کی بنا ڈالی۔ جس کا مقصد قوم کو اخلاقی انحطاط سے بچانا اور مذہب کی طرف بلانا تھا۔ چونکہ مرد و زن کے آزادانہ اختلاط اور ناؤنوش کی وجہ سے معاشرہ کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اور زوال کے آثار ہر سو عیاں تھے۔ اس لیے اہل نظر نے اس کا خیر مقدم کیا اور ابتدائی دو تین برس میں اس کی شاخیں فرانس، بلجیم، ہالینڈ، ناروے،

سویڈن، آسٹریا، جرمنی، امریکہ اور کینیڈا کے علاوہ پچاس دیگر ممالک میں بھی قائم ہو گئیں اور ان کے فعال ارکان کی تعداد دس ہزار سے بڑھ گئی۔ ان لوگوں نے تبلیغ کے لیے کئی راستے اختیار کئے۔ پوسٹر نکالے تقریریں کیں اور کتابیں لکھیں۔ ان سے لاکھوں انسانوں کا انداز حیات اور نقطۂ نگاہ کلیۃً بدل گیا۔

جب 1939ء میں اس مجلس کی سالانہ کانفرنس واشنگٹن میں منعقد ہوئی تو صدر روز ویلٹ نے اپنے ایک پیغام میں کہا:

''نوع انسان کی طاقت کا راز اس کے اخلاق میں پنہاں ہے۔ اگر اخلاقی اصلاح کا یہ پروگرام کامیاب ہو گیا تو مسلح تصادم کا خطرہ بہت کم ہو جائے گا۔ تمام بہی خواہان انسانیت کا فرض ہے کہ وہ اس تحریک کی حمایت کریں۔ ❶

برطانیہ کے چیمبر آف کامرس نے بھی ایک پیغام بھیجا:

''گو صنعت و تجارت کا اولین مقصد انسان کی مادی ضروریات بہم پہنچانا ہے۔ لیکن ہم آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔ ہمارا خیال، ہے کہ اخلاقی اصلاح سے تجارتی جنگ ختم ہو جائے گی۔ لوگوں کا اعتماد بحال ہو جائے گا اور ایک ایسی دنیا جنم لے گی جس کی بنیاد انسانی ہمدردی، رواداری اور دانش پہ رکھی گئی ہو۔'' ❷

واشنگٹن ریڈیو سٹیشن نے اس خبر کو ان الفاظ میں نشر کیا:

''آج ہم ایک ایسی تحریک کی سالگرہ منا رہے ہیں۔ جس کا مقصد انسان کو اخلاقی و روحانی عظمت عطا کرنا ہے۔ اس تحریک نے کروڑوں انسانوں کا انداز، فکر حیات بدل دیا ہے۔ تم مشرقی لنڈن کے لوگ اس نئی فکر، نئے فلسفے اور نئی قیادت کے مقدمۃ الجیش ہو اور ہمیں اس بات سے بڑی مسرت ہوتی ہے کہ تم نے صنعت، حرفت اور تجارت میں معاشرہ کو نئی راہوں پہ ڈال دیا ہے۔ ہمیں امید

---

❶ سٹیفن ص 18

❷ سٹیفن ص 11

ہے کہ ہم اس سال کے آخر تک ایک نئی شخصیت اور نئی تہذیب، جسے ہر شخص چاہتا ہے، کی تعمیر میں کامیاب ہو جائیں گے۔ سچا محب وطن وہ ہے جو اپنے ملک کو خدا کے کنٹرول میں لانے کی کوشش کرے۔'' [1]

اس تحریک کا ایک رکن مسٹر سٹیفن فٹ تھا۔ جس نے 1935ء میں ایک کتاب ''Life Began Yesterday'' کے عنوان سے لکھی۔ جس میں بارہ مسائل پہ بحث ہے۔ یعنی آغاز حیات، خوف، بین الاقوامی زندگی، صنعت، تجارت، معاشرہ، تعلیم اور مذہب وغیرہ۔ چونکہ یہ بحث بڑی پر مغز اور بصیرت افروز ہے، اور کتاب ناپید ہو چکی ہے۔ اس لیے اس کے چند اقتباسات یہاں پیش کرتا ہوں۔ کہ شاید اسے پڑھ کر کوئی بھٹکا ہوا راہی منزل کو پالے۔

آغاز حیات

تقسیم اسناد کے جلسوں میں آپ نے کالجوں کے پرنسپلوں کو عموماً یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا۔ ''عزیز طلباء! آج سے تم ایک نئی زندگی کی ابتدا کر رہے ہو۔'' سوال یہ ہے کہ زندگی کا نقطۂ آغاز کیا ہے؟ بعض کے ہاں زندگی کا آغاز ولادت سے، بعض کا فارغ التحصیل ہونے کے بعد، بعض کا ملازمت اور بعض کا ریٹائرمنٹ سے ہوتا ہے۔ لیکن اللہ والے صرف موت کو حقیقی زندگی کا آغاز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس زندگی کے بعد موت نہیں ہوگی۔ پہلے کے تمام آغاز عارضی ہیں اور آخری آغاز مستقل، حقیقی اور دائمی۔ پیش بینی کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم اس آغاز کی تیاری ابھی سے کریں۔ مجھے اس حقیقت کا علم اس وقت ہوا۔ جب دسمبر 1933ء میں مجھے میرے ایک دوست نے لکھا آج تمہارے شہر میں آکسفرڈ گروپ کا ایک جلسہ ہو رہا ہے۔ تم بھی آنا۔ میں اس وقت فارغ تھا۔ اس لیے تفریحاً چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے ناروے کے صدر پارلیمان سے ملاقات ہوئی۔ اس کا پہلا جملہ یہ تھا کہ آکسفرڈ

[1] ایضاً ص 12

گروپ دنیا کو نعمت امن سے بہرہ ور کرنے کے لیے نہایت عمدہ کام کر رہا ہے۔ پھر اس جلسے میں ایسے لوگوں سے ملنے کا موقعہ ملا۔ جن کا طرز زندگی ہم سے مختلف لیکن بہت تابدار و ارفع تھا۔ وہاں سے میں نے کئی اسباق سیکھے۔ مثلاً:

اول: پہلے میں دعا کے وقت کہا کرتا تھا۔ ''اے خدا! سن۔ تیرا بندہ بول رہا ہے'' اور اب میں نے یوں کہنا شروع کر دیا:

''Speak Lord for thy Servant heareth.''

(اے خدا بول کہ تیرا بندہ سن رہا ہے)

دوم: ان لوگوں کی تقاریر سے مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کے سامنے ہر وقت دو پلان (منصوبے) ہوتے ہیں۔ عمومی اور خصوصی۔ پہلے کا تعلق عام انسانیت سے ہوتا ہے اور دوسرے کا افراد سے۔ دنیا کے بڑے بڑے حوادث عمومی پلان کے مطابق ظہور پذیر ہوتے ہیں اور انفرادی واقعات کا تعلق خصوصی پلان سے ہوتا ہے۔ ان پلانوں کی تفصیل آسمانی صحائف میں ملتی ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ وہ ان کا مطالعہ کرے، اللہ کی بات سنے، اور تعمیل کرے کہ اس کی بہبود، عزت اور عظمت اسی میں ہے۔

سوم: کہ ایک کامیاب و باحترام زندگی گزارنے کے لیے چار چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اول، کامل (absolute) دیانت۔ دوم، کامل پاکیزگی۔ سوم، کامل بےنفسی۔ چہارم، کامل محبت۔ میں لفظ ''کامل'' پہ خاص زور دے رہا ہوں کہ ان صفات میں کمال حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی احتیاط و ہمت کی ضرورت ہے۔ دیانت کا مفہوم صرف یہی نہیں کہ ہم دوسروں کے مال کو حریصانہ نگاہوں سے نہ دیکھیں بلکہ اس میں زبان، دل اور نگاہ کی پاکیزگی بھی شامل ہے۔ غیبت کرنے والا، عیب جو اور بداندیش سب کے سب بد دیانت ہیں۔ بےنفسی کی منزل دیانت

سے بھی مشکل تر ہے۔ رہی محبت تو اس کی وہی منزل کامل کہلائے گی۔ جس کا ذکر مسیح علیہ السلام کی اس ہدایت میں ملتا ہے:

''تم سے کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت کرو اور دشمن سے نفرت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے بھی محبت کرو اور ستانے والے کو دعا دو۔ تا کہ تم اپنے آسمانی باپ کے فرزند کہلاؤ جو اپنا سورج نیک و بد سب پہ چمکاتا اور سب کے کھیتوں پہ مینہ برساتا ہے۔ تم اگر صرف محبت کرنے والوں ہی سے محبت کرو گے تو تمہارے لیے کوئی اجر نہیں...... تم اپنے کامل آسمانی باپ کی طرح کامل بنو۔'' ❶

کسی یونانی فلسفی کا قول ہے:

''know Thyself''

کہ ''اپنے آپ کو پہچانو'' جب اس قول کی روشنی میں، میں نے اپنے کردار پہ نظر ڈالی۔ تو اپنی جدوجہد کو دو انتہاؤں کے لیے وقف پایا۔ اول، نیک نامی کا حصول۔ دوم، بدنامی سے گریز۔ میرا مرکز نہ خدا تھا نہ انسان بلکہ اپنا نفس تھا جو خوف، حسد، ہوس، اضطراب اور نفرت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ سوچنے لگا کہ کیا اوصاف عالیہ کی منزل کو ناممکن الحصول سمجھ کر ترک کر دوں؟ اور اپنی پرائی روش کو جس میں کوئی قدم صحیح اٹھتا تھا اور کوئی غلط، قائم رکھوں یا مشکلات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انسانیت کبریٰ کی طرف دلیرانہ بڑھوں؟ کافی غور و خوض کے بعد میں نے اللہ کو مرکز حیات مان کر اپنے نفس کو نظر انداز کر دیا۔ اور اس سمت میں کئی قدم اٹھائے۔ مثلاً:

اول: سب سے پہلے میں نے اللہ سے رو رو کر پچھلے گناہوں کی معافی مانگی اور پھر عہد کیا کہ میں بہر حال اور بہر گرم و سرد خدا و انسان کے معاملے میں دیانتدار رہوں گا۔ میں اپنے دست و پا، زبان، نگاہ اور خیال کو اللہ کی سیدھی راہ سے منحرف نہیں

---

❶ متی۔ 5/48-43

ہونے دوں گا۔ اس اقدام کا نتیجہ یہ ہوا کہ روح کے وہ زخم جو گناہ نے لگائے تھے مندمل ہو گئے۔ مجھے ایک تازہ توانائی کا احساس ہونے لگا۔ میری مشکلات خود بخود دور ہو گئیں۔ اضطراب جاتا رہا اور روح میں اطمینان بھر گیا۔

دوم: جب مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کی ہر تخلیق لیل و نہار کی ہر گردش اور زندگی کی ہر کروٹ انسان کے فائدہ، آرام اور آسودگی کے لیے ہے تو میں نے اللہ کے ہر فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کے بعد مجھے مصیبتیں بھی رحمت معلوم ہونے لگیں۔

سوم: میں نے فیصلہ کیا کہ ہر دن کا آغاز دعا سے کروں گا۔ سحر کے پرسکون لمحات میں دعا کے بعد میں پنسل لے کر بیٹھ جاتا۔ اپنی تمام تر توجہ اللہ پہ مرکوز کر کے اس سے رہنمائی طلب کرتا اور جو خیال دل میں آتا لکھ لیتا۔ یوں میری بیاض حسین افکار سے بھر گئی اور یہ میری زندگی پہ اثر انداز ہونے لگے۔

چہارم: میں نے اپنی زندگی میں اس ایمان کا بھی اضافہ کر لیا ہے کہ:

(ا) میرا مادی فائدہ کسی اور کا نقصان ہے۔

(ب) کہ مادی لذائذ و فوائد فانی و عارضی ہیں۔

(ج) کہ روحانی لذتیں دائمی، غیر محدود اور روز افزوں ہیں۔

اس طرح میں نے ایک نئی زندگی کی ابتدا کی۔ جس میں مجھے نئی مسرتیں، نئی فتوحات، نئے حوصلے، تازہ توانائی اور عمل کے لیے ایک نیا میدان مل گیا۔ یہ تھا میرے لیے ایک نیا آغاز۔ درست کہا تھا۔ (1) مسیح علیہ السلام نے:

''Behold I make allo things new''

''دیکھو۔ میں تمام چیزوں کو نیا بنا رہا ہوں''

1- قرآن حکیم میں بھی رسول کی تعلیم کو حیات بخش کہا گیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ (انفال:۲۴)

(اے ایمان والو۔ خدا اور رسول کی بات مانو جب کہ یہ تمہیں تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں)

مادیّت

عصر رواں میں انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس کا نقطۂ نگاہ مادی ہو چکا ہے۔ مادیت سے مراد خود پرستی، لالچ، حسد، نفرت، عداوت اور بد دیانتی ہے۔ انسان کی اجتماعی وانفرادی مصائب کا سبب یہی ذمائم ہیں۔

گزشتہ دو سو برس میں انسان مادی تعمیر میں مصروف رہا اور اخلاق کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ نتیجہ یہ کہ روحانیت مادیت سے بمراحل پیچھے رہ گئی۔ مادیت نے حیرت انگیز رفتار سے ترقی کی۔ بجلی کی ایجاد سے لالٹین اور انجن کی ایجاد سے بیل گاڑی غائب ہوگئی۔ جنگ کے مہلک آلات نے تلوار اور تیر وسناں کی جگہ لے لی۔ کار، فریج، ٹیلی ویژن اور زندگی کی دیگر آسائشوں نے ہر فرد کو ان کا دیوانہ بنا دیا۔ لیکن ان تک ایک لاکھ میں سے صرف ایک کی رسائی ہو سکی۔ یہ نارسائی آج مجرمانہ مایوسی کی شکل اختیار کر رہی ہے اور نارساؤں کو غصب وخیانت کی ترغیب دے رہی ہے۔ اس صورت حال کا واحد علاج مذہب ہے۔ مذہب ناداروں کو قناعت کی تعلیم دیتا ہے اور دولت مندوں سے کہتا ہے کہ غرباء کو اپنی دولت میں شریک کرو۔ یہ ضبط نفس اور تحدید ہوس کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ کسی دانا کا قول ہے:

> The enormous increase in the material Comfort of life offers greater temptation to self-indulgence, & therefore man needs greater control over the urge to acquisitiveness.[1]

یہ کنٹرول تیزی سے ختم ہو رہا ہے اور تیسری عالمگیر جنگ کا خطرہ بڑھ رہا ہے۔ اس صدی میں دو عظیم جنگیں ہو چکی ہیں۔ جن میں بیس کروڑ آدمی ہلاک، زخمی یا برباد ہوئے تھے

---

[1] Life began p. 28

اور اگلی جنگ میں پوری نسل انسانی کے مٹ جانے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ یہ خطرہ اسی صورت میں ٹل سکتا ہے کہ انسان کو انسان سے ہمدردی ہو جائے اور ہر دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے۔

عصر حاضر کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آج تقریباً ڈیڑھ ارب کمیونسٹ خدا کا انکار کر چکے ہیں اور یہ لوگ ایٹمی اسلحہ سے بھی مسلح ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم انہیں کس طرح جنگ سے روکیں۔ بہر حال اُوکسفرڈ گروپ پورے عزم سے کام کر رہا ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان، ایٹم بم سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ اس سے نقطۂ نگاہ بدل جاتا ہے اور بم چلانے والے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔ اُوکسفرڈ گروپ کا ممبر بننے سے پہلے میرا خیال یہ تھا کہ عصر رواں کا خود غرض اور حریص انسان کبھی بے غرض، ایثار پیشہ، انسان دوست اور قانع نہیں بن سکتا۔ لیکن اب میری رائے تبدیل ہو چکی ہے۔ اور میرا یہ ایمان ہے کہ مذہب انسان کو اخلاق، روحانیت اور مذہب کی ایسی سطح پہ لے آتا ہے۔ جہاں جنگ و پیکار کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا۔ اگر آپ کو تاریخ میں اہل مذہب بھی کہیں نہ کہیں مصروف پیکار نظر آتے ہیں تو اس کے دو ہی اسباب ہو سکتے ہیں۔ اول، کہ شاید وہ لا مذہبوں کے خلاف دفاعی جنگ لڑ رہے ہوں۔ دوم، یا اپنے ہم مذہب قانون شکنوں کو درست کر رہے ہوں۔

بہر حال اس وقت دنیا کے سر پہ ایٹمی جنگ کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ اسے روکنے کی ایک ہی صورت ہے کہ دنیا کے تمام وسائل نشر و ابلاغ یعنی طاقتور اخبارات و رسائل، اہل قلم، ریڈیو اور ٹیلی ویژن اپنی تمام تر کوششیں انسان کو وحشت، بربریت، نفرت اور تعصب کی پستیوں سے نکال کر اخوت و محبت کی بلندیوں تک پہنچانے کے لیے وقف کر دیں۔

غمِ روزگار

زندگی میں انسان کو سینکڑوں غم ہوتے ہیں۔ روزی کا غم، اولاد کا غم، ان کی تعلیم و ترتیب کی فکر، بیماریوں، حادثوں اور موت کا ڈر۔ یوم الحساب کا لرزہ وقس علیٰ ھذا۔ ان افکار

سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم خدائی فیصلوں کے سامنے جھک جائیں۔

We should surrender our will to th Divine Purpose as a calm, resolute, intelligent and reasonable act of submission to the Power controlling the wrld.❶

''ہمیں چاہئے کہ ہم نہایت اطمینان، استقلال اور دانش مندی سے اس قوت اعلیٰ کے سامنے جھک جائیں۔ جو دنیا کو کنٹرول کر رہی ہے۔ ہمارا یہ اقدام نہایت معقول اور قابل ستائش ہوگا۔''

آلام روزگار میں سب سے بڑا غم نتائج گناہ کا خوف ہے۔ جب ہم کسی کو دھوکہ دے کر اس کی کوئی قیمتی چیز (زیور، ٹیلی ویژن، کار وغیرہ) ہتھیا لیتے ہیں تو احساس گناہ سانپ بن کر ہمیں ڈسنے لگتا ہے اور ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں یہ راز کھل نہ جائے۔ میرے ایک ہم جماعت نے دھوکہ دے کر وظیفہ کے امتحان میں کامیابی حاصل کر لی اور کئی سال تک وظیفہ لیتا رہا۔ لیکن ساتھ ہی اس پر یہ خوف مسلط رہا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ بعد میں جب اس احساس نے اسے سکون قلب سے کلیۃً محروم کر دیا اور اس کی صحت بھی متاثر ہونے لگی تو اس نے تعلیمی بورڈ کو اپنے فریب کی اطلاع دے کر وظیفہ کی تمام رقم لوٹا دی اور اسے اس کا سکون واپس مل گیا۔

مستقبل کا خوف: سو میں سے ننانوے افراد خوف فردا میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں ان سے ان کی عزت، روزگار اور سکون نہ چھن جائے۔ وہ فلاں امتحان میں رہ نہ جائیں۔ سٹیج پر دوران تقریر گھبرا نہ جائیں۔ ان کے بچے بیمار، بے کار یا آوارہ نہ ہو جائیں۔ بارہا ایسا ہوا کہ خطیب پوری طرح تیار ہو کر سٹیج پہ آیا۔ لیکن حاضرین کو دیکھ کر گھبرا گیا سر چکرانے لگا

---

❶ Life began p. 36

اور زبان بند ہوگئی۔ کتنے ہی قابل اور ذہین طلبہ کے دماغ خوف امتحان سے چکرا گئے اور وہ پرچے خالی چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ خوف کی ان اقسام سے ہم کیسے چھٹکارا حاصل کریں۔ فلسفہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ البتہ مذہب ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اللہ کا ہر حکم اور ہر تقدیر ہمہ خیر ہے۔ اس کی بہاریں، گھٹائیں اور فضائیں بھی رَحمت اور سیلاب وطوفان بھی رَحمت۔ اگر بارش کی وجہ سے کسی کا کچا کوٹھا گر پڑتا ہے تو کیا ہم بارش کو عذاب سمجھنے لگیں؟ کہتے ہیں کہ زلزلوں سے پہاڑوں کی قیمتی معادن گہرائیوں سے اچھل کر سطح زمین کے قریب آجاتی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی کچھ جانی اور مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ جادۂ حیات میں دکھ اور سکھ ہم سفر ہیں۔ اگر آپ بیس سال محنت کریں گے تو یونیورسٹی ڈگری کے مستحق ہوں گے۔ وسیع اور پیہم مطالعہ کے بعد ہی عالم کہلائیں گے۔ کوئی مقام سکھ دکھ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ [1] کئی فلسفی اس دکھ کو بھی سکھ سمجھتے ہیں جس کا نتیجہ سکھ ہو۔

خوف اور جنگ: آج تک جتنی جنگیں، جتنے بین الاقوامی تصادم اور انفرادی قتل ہوئے۔ ان کا سب سے بڑا سبب یہ خوف تھا کہ کہیں فلاں قوم میرے ملک پر اور فلاں شخص مجھ پر حملہ نہ کر دے۔ جنگ، خوف جنگ سے جنم لیتی ہے اور خوف اعمال و اقوال سے متانت اور معقولیت چھین لیتا ہے۔ آج وہ اقوام جنہیں جنگ کا خوف لاحق ہے، ایسی حرکات کر رہی ہیں جن وہ اقوام جن کی توقع ایک دانش مند، متوازن اور معقول قوم سے نہیں ہوسکتی۔ چند سال پہلے جب روس نے ہنگری اور چیکوسلوویکیہ کی آزادی کو سلب کیا تو روس کے تمام ہمسائے ڈر گئے اور اپنی حفاظت کی تدابیر سوچنے لگے۔ ان میں ایران بھی تھا۔ جب ایران نے اپنی فوج کو طاقتور بنانا شروع کیا تو خلیج کی ریاستیں اور سعودی حکومت کو بھی فکر لاحق ہوگئی اور انہوں نے امریکہ سے جدید اسلحہ کثیر مقدار میں خریدنے کی سکیم بنالی۔

---

[1] قرآن مجید میں ہے:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الم نشرح: ۵،۶)

"بے شک ہر دکھ کے ساتھ سکھ اور دکھ کے ساتھ سکھ ہے۔"

ہر چند کہ ہند ایران سے کافی دور تھا اور درمیان میں پاکستان پڑتا تھا۔ تاہم وہ اس خطرے میں مبتلا ہو گیا کہ کہیں ایران وعرب کے اسلحہ کو پاکستان استعمال نہ کرنے لگے۔ چنانچہ اس نے اپنے حفاظت کے لیے جوہری بم بنالیا اور اب طاقت کے توازن کو قائم رکھنے کے لیے کئی اسلامی ممالک بھی جوہری بم بنانے کی سوچ رہے ہیں۔

دو ہمسائے: کہتے ہیں کہ الف اور ب ایک دوسرے کے ہمسائے تھے۔ ایک دن الف نے دیکھا کہ ب اپنی چھت پہ بیٹھ کر کوئی کام کر رہا ہے۔ اسے خیال آیا کہ ب کا ہمارے صحن میں جھانکنا ہماری توہین ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی دیوار اونچی کر لی۔ ب نے اسے اپنی توہین سمجھا۔ اور چھت پہ ایک اور منزل بنالی۔ الف نے دیوار کو چند گز اور اونچا کر لیا۔ اور ب نے ایک اور منزل کا اضافہ کر دیا۔ یہ مقابلہ دیر تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ دونوں کی تعمیرات اپنے ہی بوجھ سے پیوند زمین ہو گئیں۔

یہی صورت اقوام عالم کی ہے کہ ایک دوسرے کے خوف سے اپنی افواج اور دیگر وسائل مدافعت میں اضافہ کر رہی ہیں اور ممکن ہے کہ کسی روز اسی بوجھ کے نیچے پس کر رہ جائیں۔

اس صورت حال کا علاج نئی پالیسیوں سے نہیں، بلکہ نئے انسانوں سے ہو سکتا ہے، جو مذہب کے سانچے میں ڈھل کر نکلے ہوں۔ جنہیں امن سے محبت اور ظلم و تعدّی سے نفرت ہو۔ جو دوسرے کی عزت، متاع اور ملک کی طرف حریص نگاہوں سے دیکھنا نگاہ کی توہین سمجھتے ہوں۔

جمعیۃ الاقوام: ایک مرتبہ مجھے جنیوا میں جمعیۃ الاقوام کی کارروائی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ہال میں سننے اور سنانے کے بے پناہ انتظامات تھے۔ ہر سیٹ پر ہیڈ فون کا ایک جوڑا، مائیکروفون اور مختلف زبانوں کے سوئچ لگے ہوئے تھے۔ ہر تقریر کا مختلف زبانوں میں ترجمہ تقریر کے ساتھ ہی آرہا تھا۔ اور ہر رکن سوئچ دبا کر اپنی پسندیدہ زبان میں تقریر سن سکتا تھا۔

چند تقاریر سننے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ مقررین نہ تو اپنے دعاوی میں مخلص ہیں اور نہ قیام امن کے لیے کوئی پائیدار حل پیش کر رہے ہیں۔ امن کی بنیاد محبت پہ رکھی جاتی ہے۔ جب تقریر کرنے والے دوسروں کو تباہ کرنے کے لیے شب و روز مہلک اسلحہ تیار کر رہے ہوں تو پھر امن کی تبلیغ کا مطلب؟

دیگر اقوام سے روابطِ محبت قائم کرنا نہایت ضروری ہے اور اس کا ایک راستہ یہ کہ سیاستدان دوسری اقوام کی عزت کریں۔ اپنی تقاریر میں دوسروں کو برا بھلا نہ کہیں اور ہر موقعہ پر امن دوستی کی ضرورت پہ زور دیں۔ خرابی وہیں پیدا ہوتی ہے۔ جہاں لیڈر دوسروں کو امن دشمن، بدنیت اور مفسد خیال کریں۔ 1902ء سے پہلے امریکہ کی دو ریاستوں ارجنٹینا اور چلی میں شدید عداوت تھی۔ 1902ء میں ان کے لیڈروں نے باہمی دوستی کے ایک معاہدے پہ دستخط کئے اور ارجنٹینا نے وہ توپ جو چلی پر گولے برسانے کے لیے خریدی تھی۔ چلی کو بطور تحفہ دے دی۔ اس سے دونوں ریاستوں کے عوام میں جذبات محبت بیدار ہو گئے۔ جو آج تک باقی ہیں۔

ہر ملک کے عوام امن پسند ہوتے ہیں اور لیڈر عموماً فتنہ پسند۔ جب یہ لیڈر دیکھتے ہیں کہ وہ عوام کی خواہشات پہ پورے نہیں اترے تو وہ عوام کی توجہ دوسری طرف منعطف کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی کھڑاک کھڑا کر لیتے ہیں۔ یا تو کسی ہمسایہ ملک کے پیچھے پڑ جاتے ہیں یا کسی داخلی سازش اور خطرے سے قوم کو ڈرانے لگتے ہیں یا کھیل تماشے (مویشیوں کے میلے، کبڈی، نیزہ بازی کے مقابلے اور ناچ گیت) پہ زور دیتے ہیں۔ لیکن یہ تمام چالیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ تاریخ کا فیصلہ یہ ہے کہ خدا ترس، امن پسند اور انسان کو انسان سے ملانے والے لوگ ہی کامیاب ہوتے ہیں اور انہی کی مساعی سے بین الاقوامی روابط خوشگوار بنتے ہیں۔

دنیا میں قیام امن کے لیے ایسے لوگوں کی شدید ضرورت ہے جو اپنے خلوص، جذبہ

خدمت ومحبت اور امن دوستی سے دنیا کا نقطۂ نگاہ بدل ڈالیں، جو رنگ ونسل کی قید سے آزاد ہوں اور اس زمین کو خدا کا یا امن گھر بنانے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ ہمیں ایسے نئے افسانوں کی ضرورت ہے جو با خدا با مذہب ہوں۔ ہمیں نئے انسانوں کی ضرورت ہے نہ کہ نئے فلسفے کی۔ آپ نے سنا ہوگا کہ لا خدا کمیونسٹ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرتے ہیں اور وہ کامیاب ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف با خدا لوگ لمبی تان کر سوئے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں تو بے نفس کارکنوں کے ادارے ہیں نہ حرکت نہ ذوق عمل اور نہ جذبۂ دعوت۔ دنیا کے موجودہ مسائل، مثلاً بے کاری، افلاس، حرص، گناہ، ہتھیاروں میں مسابقت، عیاشی، سود خوری، وطنیت، نفرت وغیرہ کا علاج خلق خدا کو خدا کے دائرۂ اثر میں لاتا ہے۔ جب تک ہم خدا کو آقائے کائنات مان کر اس کی رضا و خواہش کے مطابق نہیں چلیں گے۔ ہماری یہ مشکلات بڑھتی ہی جائیں گی۔ ایمان اور انسان سے محبت قانون وتعزیر سے بالاتر طاقتیں ہیں۔ اور ان سے وہ کام لیا جا سکتا ہے جو دنیا کے تمام سیاستدان مل کر بھی سرانجام نہیں دے سکتے۔ خدا کا سہارا سب سے بڑا سہارا اور اس کا حصار سنگین ترین حصار ہے۔ مبارک ہے وہ جو اللہ پہ بھروسہ کرنے کے بعد اسی سے قوت حاصل کرے۔

''شریروں کے بازو توڑے جائیں گے اور صادقوں کو خداوند سنبھال لے گا۔ جس کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے اور ملعون کاٹ ڈالے جائیں گے۔''[1]

ایک شہر: مجھے ایک دفعہ ایک ایسے شہر میں جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں یوم دعا کی تقریب ہو رہی تھی۔ صدر بلدیہ نے مجھے بھی شمولیت کی دعوت دی۔ صدر نے زعمائے شہر کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ہمارے شہر کو کئی امتیاز حاصل ہیں۔ اول: یہ ایک سجا سجایا اور مصفا شہر ہے۔ دوم: اس میں تمام اشیائے ضرورت موجود ہیں۔ سوم: اس کے باشندے بلند

---

[1] زبور ۔ ۳۷

کردار، محنتی اور خدا ترس ہیں۔ اگر ہم خدا سے اسی طرح ڈرتے اور گناہ سے بچتے رہے۔ تو ہمارے گھروں میں خوشحالی اور دلوں میں سکون ہمیشہ باقی رہے گا۔''

خدا اور ہم: جب ہم آسمانی صحائف کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ تو ہم حسب ونسب اور رنگ ونسل کی قیود سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔ بلند و پست کا امتیاز نہیں رہتا۔ ہمیں ایک عظیم تر قرابت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ہر انسان ہمیں عزیز یا دوست نظر آتا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُوکسفرڈ گروپ کی کوششوں کی وجہ سے جہان پیر مر رہا ہے اور ایک ایسی دنیا ابھر رہی ہے۔ جہاں مذاہب، انساب اور اوطان کا اختلاف نہیں ہوگا اور تمام انسان اللہ کی ذات میں ضم ہو کر ایک کنبہ بن جائیں گے۔

مقصد تعلیم: تعلیم کا مقصد دماغ کو توانائی و جہالت کی ظلمتوں سے آزاد کرانا؛ ذہانت کو جلا دینا اور یہ معلوم کرنا ہے کہ زندگی کا مقصد کیا۔ ہے اور وہ کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے؟ میں معلّم بھی رہا ہوں اور میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ جب تک خود استاد میں پاکیزگی، ضبط، باقاعدگی، خدا ترسی، انسان دوستی اور دیگر بلند اوصاف نہ ہوں۔ وہ اپنے طلبہ کو قطعاً متاثر نہیں کر سکتا۔

تعلیم کے مقاصد میں سے ایک اللہ کے ساتھ ہم کلامی ہے۔ یعنی وقت سحر تنہائی میں اللہ پہ پوری توجہ مرکوز کر کے اس سے یہ پوچھنا کہ:

''بتا! تیری رضا کیا ہے''؟

اور پھر اس کا وہ جواب جو انسانی ضمیر میں آواز بن کر نہاں ہے۔ دل کے کانوں سے سننا۔ اللہ صرف تسلیم چاہتا ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جس پر کروڑوں چاند، ستارے، سورج اور ارض وسما کے دیگر مناظر شہادت دے رہے ہیں۔ اگر کوئی طالب علم اس ہم کلامی کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتا۔ تو وہ علم کے مقصد سے ناآشنا ہے۔ زندگی کی روشن منزلیں نیکی کی کٹھن راہوں پہ واقع ہیں۔

The sprakling ways of virtue lead to the glittering valleys of paradise.

''نیکی کی روشن راہیں جنت کی پُر بہار وادیوں میں پہنچا دیتی ہیں۔''

بدیگر الفاظ تعلیم کا پہلا مقصد ایک باخدا انسان بنتا ہے کہ زندگی میں حسن، روابط میں توازن، دلوں میں سکون اور شخصیت میں لوچ اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی سے سفر حیات آسان بنتا ہے۔

Life is an uphill journey and at the top rests glory.

''زندگی کیا ہے؟ ایک اونچی چٹان پہ چڑھنا۔ جس کی چوٹی پر فتح وظفر کا بسیرا ہے۔''

باب چہارم

اسلام

وکٹوریہ عہد کے ایک وزیر اعظم مسٹر گلیڈ سٹون (1809-1898ء) نے ایک دفعہ قرآن مقدس کو ہاتھ میں لے کر پارلیمان میں کہا تھا کہ جب تک یہ کتاب موجود ہے مسلمانوں کو محکوم بنانا مشکل ہوگا۔ اس لیے ہمارا پہلا فریضہ یہ ہے کہ مسلمان کو قرآن سے الگ کر دیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مدبرین فرنگ نے کئی چالیں چلیں۔ کہیں لاطینی رسم الخط رائج کر کے وہاں کے عوام کو حروف قرآن سے بیگانہ کر دیا۔ کہیں اپنا بدآموز ادب بھیجا۔ ساتھ ہی اپنے اہل قلم کو ہدایت کی کہ وہ تعلیمات قرآن کا مضحکہ اڑائیں۔ نیز اپنی نوآبادیوں میں ایک ایسا نظام تعلیم رائج کر دیا۔ جس کا پہلا ثمر مذہب سے نفرت تھا۔ دوسرا ذہن کی محکومی۔ تیسرا قلب ونظر کا بگاڑ اور چوتھا ضمیر کی موت۔

مباش ایمن ازاں علمے کہ خوانی
کہ ازوے روح قومے میتواں کشت (اقبالؒ)

''تم اس علم کے نتائج سے جو آج حاصل کر رہے ہیں۔ غافل نہ ہو جانا کہ اس پوری قوم کی روح کو کچلا جاسکتا ہے۔''

اس تعلیم نے محکوم اقوام کو ایک ہی بات کی تعلیم دی کہ یورپ کی ہر چیز بہترین ہے اور مشرق کی ہر چیز ذلیل وپست۔ سائنس کی کامیابیوں نے اہل مغرب کے نقطۂ نگاہ کو مزید تب وتاب عطا کی اور دنیا ان کی ہر بات پہ آمنا وصدقنا کہنے لگی۔

یورپ میں مذہب سے نفرت: 1 یورپ مذہب سے بھاگنے میں بڑی حد تک حق بجانب تھا۔ کیونکہ قرون وسطی (500ء۔1500ء) میں عیسائیوں نے علماء وحکماء پہ محض اس لیے بے پناہ مظالم توڑے تھے کہ ان کے نتائج فکر وتحقیق پادریوں کے بعض عقائد سے

ٹکراتے تھے۔ مشرقی رومہ کے ایک قیصر زینو (474ئ۔ 491ئ) نے نسطوری فرقے (پادری نسطوریس (451ئ) کے پیرو) کے تمام علماء کو اپنی سلطنت سے نکال دیا تھا۔ اور وہ جندیشاپور (ایران) میں جمع ہو گئے تھے ❶۔ 529ء میں قیصر جسٹینین اول (527ء۔565ء) نے ایران و مصر کی تمام درسگاہیں بند کر دی تھیں،۔ اور علماء کو ملک سے نکال دیا تھا۔ ❷

2- ڈاکٹر ڈریپر لکھتے ہیں کہ اسکندریہ کا کتب خانہ جس میں سات لاکھ کتابیں تھیں جولیس سیریز (50-44 ق م) کے حکم سے جزواً اور تھیوڈوس دوم (408-450ء) کے کہنے پر کاملاً جلا دیا گیا تھا۔

3- بابائے اعظم ❸ گریگوری (540-604ء) علوم کا اتنا بڑا دشمن تھا کہ اس نے رومی خطیب سسرو (43ق م) اور مؤرخ لیوی (17 ق م) کی تمام تصانیف تلف کرا دی تھیں۔

4- طرابلس ❹ کی ایک لائبریری میں تیس لاکھ کتابیں تھیں۔ جنہیں ایک صلیبی لشکر نے جلا دیا تھا۔

5- بابائے روم کے ہاں ہر وہ عیسائی کافر تھا جو کلیسائی ذہن سے الگ ہو کر سوچتا، علمی کتابیں لکھتا، سائنسی نظریات پیش کرتا یا مسلمانوں کی طرح ہر روز نہاتا تھا۔ ایسے ''کافروں'' کو سزا دینے کے لیے بابا نے ایک مذہبی عدالت قائم کی تھی۔ ❺ جس نے پہلے سال دو ہزار افراد کو زندہ جلا دیا اور ستانوے ہزار تین سو کو قید و بند کی سزا دی۔

---

❶ آرنلڈ: ''میراث اسلام'' ص213 نیز ''معرکۂ مذہب و سائنس'' ص77

❷ معرکہ مذہب و سائنس ص416

❸ تشکیل انسانیت ص417

❹ معرکہ مذہب و سائنس ص150

❺ ، ، ، ص205

مفارنس ❶ کے مشہور ہیئت دان گلیلیو (1642ء) کو پوپ نے جیل میں ڈال دیا تھا۔ جہاں وہ دس سال تک دکھ اٹھانے کے بعد مر گیا تھا۔

اٹلی کے ❷ مشہور فلسفی برونو (1600-1550ء) کو مذہبی عدالت نے زندہ جلا دیا۔

پوپ کے مظالم، علم دشمنی اور عالم کشی کی تفصیلی داستان میری کتاب ''یورپ پر اسلام کے احسان'' میں دیکھیے۔

یہ ہے وہ مذہب جس سے یورپ کو واسطہ پڑا تھا۔ اگر پوپ کا اقتدار قائم رہتا تو آج یورپ علوم جدیدہ سے قطعاً بے بہرہ ہوتا۔ پوپ کی آمریت کو ختم کرنے میں بھی بعض دیگر اسباب وعلل کے علاوہ اسلامی افکار نے بھی حصہ لیا۔ پوپ علوم طبیعی کا دشمن تھا اور اسلام سرپرست مسلمان مغربی یورپ پر 711ء سے 1492ء تک مسلط رہے۔ ان کی درسگاہوں سے لاکھوں طلبہ عوام وافکار سے مسلح ہو کر یورپ میں ہر طرف پھیل گئے اور دنیا کو اسلامی نظریات سے آشنا کرنے لگے۔ اسلامی نظریات میں مطالعۂ کائنات کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ قرآن مجید میں اس موضوع پر ساڑھے سات سو آیات ملتی ہیں۔ اور اس سے بے اعتنائی پر موت کی دھمکی دی گئی ہے۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ (اعراف:۱۸۵)

''کیا یہ لوگ کائنات ارض وسما اور اللہ کی تخلیق پہ غور نہیں کرتے، اور نہ اس بات کو سوچتے ہیں، کہ کہیں اس غفلت کی وجہ سے ان کی موت تو قریب نہیں آ گئی۔''

ایک اور مقام پہ ارشاد ہوا۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝۱۸ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝۱۹ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ

---

❶ معرکہ مذہب وسائنس ص 732

❷ ص 248

سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾

''کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اونٹ کی تخلیق کیسے ہوئی؟ آسمان کیونکر بلند کیے گئے، پہاڑ کیسے استوار ہوئے اور زمین کس طرح بچھائی گئی''؟ (الغاشیہ: ۱۷ تا ۲۰)

تو جو قرآن ہمیں ارض وسما پہ غور کرنے اور اس کے دفائن وخزائن کو استعمال کرنے کا ھے سات سو مرتبہ حکم دیتا ہے۔ جس کی ہر ہدایت امن وفلاح کی ضامن اور عظمت و ت کی کفیل ہے۔ اسے ایک پسماندہ کتاب کہنا نادانی کی انتہا ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

''ہم نے یہ کتاب بایں مقصد نازل کی ہے کہ تم دنیا کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاؤ''۔ (ابراھیم: ۱)

مسلمان اور سائنس: قرآن نے تو بار بار کائنات میں تدبر کا حکم دیا تھا۔ لیکن آج سے تقریباً پانچ سو سال پہلے مسلمان نے اس سے کنارہ کرلیا اور زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا۔ آج مسلمان پھر بیدار ہو رہا ہے۔ جابجا تجربہ گاہیں، رصدگاہیں، صنعتی مراکز اور معمل، قائم کر رہا ہے۔ انسانیت کو حیوانیت، حرص، نفرت اور مادیت کے غلبے سے نجات دلا رہا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ سائنس جو صرف عقل کے پروں سے اڑتی ہے۔ انسانیت کے ہم پرواز نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ انسانیت عقل اور عشق دونوں سے مدد لیتی ہے عقل کی پرواز آسمان تک ہے اور عشق کی خدا کی آستان تک۔

علم گو آستان سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

(اقبالؒ)

یورپ علم وخرد کو منتہائے کمال سمجھتا ہے اور اسلام کا موقف یہ کہ عشق کے بغیر حیات

جو تو بیہ کی جائے گی۔ وہ ناقص ہوگی۔ عشق سے مراد جذبہ، ایمان اور صداقت سے محبت
۔ یہ درست کہ علمائے طبیعی نے اپنی ایجادات سے دنیا کا رنگ بدل دیا ہے۔ لیکن
ب عشق کے اٹھائے ہوئے انقلابات بہت دیر پا، مفید اور ہمہ گیر تھے۔ سائنس نے
کو بھاپ اور بجلی دی اور عشق نے پاکیزگی، عظمت اور تقدس۔ علم زمین کے دفائن باہر
اور عشق نے اللہ کو بے حجاب کیا۔ انسان کو عظیم بنانے کی خاطر عشق بارہا سپرد دار ہوا۔
ام و مصائب کا ہدف بنا۔ آتش نمرود میں بے خطر کود پڑا۔ لیکن عقل دور کھڑی ہو کر تماشہ
یتی رہی۔

عشق در دنیائے ما ہنگامہ با تعمیر کرد
ورنہ ابن بزم خموشاں ہیچ غوغائے نداشت

عقل اور عشق دونوں مہیب طاقتیں ہیں۔ یہ مل جائیں تو زندگی کی کایا پلٹ جاتی
ہے۔ اور بچھڑ جائیں تو ہر چار سو مرگ و تباہی کے عفریت ناچنے لگتے ہیں۔

یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
شریک شورش پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں (اقبالؒ)

عشق کے کارنامے اتنے ہی قدیم ہیں۔ جتنی خود انسانیت۔ یہ عمل کا قوی ترین محرک،
سوز و سرور کا سب سے بڑا سر چشمہ اور نظم عالم کی سب سے بڑی بنیاد ہے۔ انبیاء و فلاسفہ
ایک ہی پیغام لے کر آئے تھے کہ عشق کو علم کا رہبر بناؤ۔ ورنہ تریاق علم زہر میں بدل جائے
گا۔ اسلام نے دنیا پہ بے شمار احسان کئے۔ ان میں سب سے بڑا یہ کہ علم کے اسپ سرکش کی
باگ عشق کے ہاتھ میں دے دی۔

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفی
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام (اقبالؒ)

تا کہ علم انسانی بستیوں کو ہیروشیما اور ناگاساکی ...

اسلام کی چند خوبیاں: اسلام میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ مثلاً۔

(ا) یہ صرف عبادت، عقائد اور روحانیت ہی کا نام نہیں۔ بلکہ یہ زندگی کے تمام مسائل پہ حاوی ہے۔ یہ تمام روابط (والدین اقارب، احباب اور دیگرے) کو منضبط اور فرد و جماعت دین و دنیا نیز عقیدہ وعمل میں رابطہ و توازن پیدا کرتا ہے۔

(ب) تمام جبلی جذبات (جنس، خواب و خور، خواہش، غصہ وغیرہ) پر کچھ اس طرح کی قیود عائد کرتا ہے، کہ نظام معاشرہ میں خلل واقع نہ ہو۔

(ج) یہ نہ اشتراکیت ہے نہ سرمایہ داری۔ بلکہ دونوں کی خوبیوں کا جامع اور ان کے نقائص سے پاک ہے۔

(د) یہ کالے اور گورے میں امتیاز نہیں کرتا اور نہ لسانی وجغرافیائی قومیت کا قائل ہے۔ اس کے ہاں قومیت کا تصور نہایت انوکھا پاکیزہ، ارفع اور حسین ہے۔ یہ عقائد و اعمال کو اساس قومیت قرار دیتا ہے اور تمام مسلمانوں کو ایک قوم سمجھتا ہے۔ خواہ وہ مصر میں ہوں یا ایران میں، آزاد ہو یا محکوم کالے ہوں یا گورے۔ بقول اقبالؒ۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

(ہ) یہ غرباء و مساکین کو دولت مندوں کی کمائی میں شریک کرتا ہے۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾ (الذاریت:۱۹)

''ان کے مال میں مفلس ومحروم کا بھی حق ہے''

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ (الحشر:۹)

''یہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ خود ان کے ہاں رزق کی تنگی ہو''

(و) اسلام کا جہاد صداقت کے دفاع، دوسروں کو استحصال سے نجات دلانے، مظلوموں کی مدد اور استحصال شر کے لیے ہے۔

(ز) یہ عورت کو ایک مقدس دیوی سمجھ کر اس کی حفاظت کرتا اور اس کی پارسائی کو عزیز ترین متاع سمجھتا ہے۔ یورپ آزادی نسواں کا علم بردار بنا پھرتا ہے اور حالت یہ ہے کہ اس کی گلیاں اور گھر غیر قانونی بچوں سے بھر گئے ہیں۔ اور وہاں شرم و حیا کا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ اسلام اس قسم کی آزادی کو قحبہ گری قرار دیتا ہے اور بار بار اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے۔ کہ عیاشی و فحاشی سے قومیں مٹ جاتی ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (النور:۱۹)

''جو لوگ اہل ایمان میں فحش کاری پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہم انہیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دیں گے۔''

فحش کاری سے مراد خواتین سے عصمت کا تقدس اور کردار کی پاکیزگی چھین کر انہیں طوائف کا ہم مرتبہ بنا دینا ہے۔ اگر خواتین میں یہ تقدس نہ رہے تو بیٹے بدکار ماؤں کا احترام نہیں کریں گے۔ نہ بھائی بدکردار بہنوں کے لیے جان دیں گے اور نہ باپ فاحشہ بیٹیوں کو اپنا ناموس سمجھیں گے۔

(ح) یہ سود، ذخیرہ اندوزی، اسراف، سرمایہ داری، جاگیرداری اور چور بازاری کی اجازت نہیں دیتا۔ فاضل دولت کو جرم سمجھتا اور دولت جمع کرنے والوں پہ لعنت بھیجتا ہے۔

(ط) یہ بیت المال سے بنیادی ضروریات فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

(ی) یہ خدا و انسان میں رابطۂ محبت قائم کرتا اور خدا کو حیات انسانی کی آخری منزل قرار دیتا ہے۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ (النجم:۴۲)

''تمہارا رب تمہاری آخری منزل ہے''

(ک) یہ ترک دنیا اور رہبانیت کا قائل نہیں۔ بلکہ دنیا کی تمام نعمتوں سے مستفید ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ ہم زمین کے خزائن ودفائن سے اس حد تک متمتع ہوں اور وہ قوت پیدا کریں کہ خدا وانسانیت کے دشمن ہمارا نام سن کر کانپ اٹھیں۔

(ل) سیاست میں یہ جمہوریت کا قائل ہے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوری:۳۸)

(م) اور غیر مسلموں سے عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔

اسلام پر اعتراضات: چونکہ یہ اوصاف نہ اشتراکیت میں پائے جاتے ہیں۔ نہ سرمایہ داری میں۔ اس لیے ان کے اہل قلم اسلام پر مختلف قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔ مثلاً: کہ اسلام جہنم سے ڈرا کر لوگوں کو اپنا پیرو بناتا ہے۔ اس کے جواب میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ کائنات میں روز اول سے خیر وشر کا تصادم ہو رہا ہے۔ اگر خیر جیت جائے تو ہر شخص ظلم، استحصال، افلاس اور جہالت کے اثرات سے آزاد ہو کر ایک پُر امن، محفوظ اور ہر لطف زندگی کے مزے لینے لگتا ہے اور اگر ہار جائے تو کائنات فساد سے بھر جاتی ہے۔ شر کا نتیجہ دنیا میں بدامنی، اضطراب، نا آسودگی، بیماری اور ذلت ہے۔ یہ ہے دنیوی جہنم اور بعد از مرگ آگ سانپ اور زہریلے کانٹے۔ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جو کچھ ہم یہاں بوئیں گے۔ وہی کچھ وہاں کاٹیں گے۔

اگر خار کاری سمن ندوزی

جہنم کیا ہے؟ اپنے ہی اعمال بد کی ایک صورت۔ کیا دنیا کی حکومتیں قاتلوں، چوروں اور بدکاروں کو سپرد زنداں نہیں کرتیں؟ کیا ہر مملکت کی تعزیرات میں سینکڑوں ایسی دفعات موجود نہیں کہ فلاں عمل کی سزا اتنے سال قید یا جرمانہ ہے؟ کیا ڈاکوؤں اور قاتلوں کے شر

سے بچنے کے لیے جیلوں کا وجود ضروری نہیں؟ تو پھر جہنم پہ اعتراض کیوں؟ اہل نظر اس حقیقت پر متفق ہیں کہ ہر عمل (ایکشن) کا ایک ردعمل (ری ایکشن ہوتا ہے۔ کہیں یہ فوراً مترتب ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آپ بلندی سے گریں تو چوٹ کا احساس فوراً ہوگا۔ یا آگ میں ہاتھ ڈالیں تو جل جائیں گے۔ لیکن بعض صورتوں میں ری ایکشن (صلہ، بدلہ) بہت دیر کے بعد پراسرار صورت میں نمودار ہوتا ہے اگر ایک لڑکا باپ کی توہین کرتا ہے تو اس کی اپنی اولاد اس کی کبھی عزت نہیں کرے گی۔ دوسروں کی بیٹیوں کو تاڑنے والا اپنی بیٹیوں کو کبھی نہیں بچا سکے گا۔ تلوار ہی سے حکومت کرنے والا تلوار ہی سے مرے گا۔

Those who live by sword die by sword (Trine)

''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' اس قسم کا مقولہ آپ کو ہر زبان اور ہر ادب میں ملے گا۔ تاریخ اس نوع کی امثلہ سے لبریز ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ برصغیر کے خلجیوں، تغلقوں اور مغلوں کی تاریخ ہی کا مطالعہ فرمائیں۔ آپ کو درجنوں ایسی مثالیں مل جائیں گی کہ جن لوگوں نے تلوار کے زور سے تخت حاصل کیا تھا۔ وہ تلوار ہی سے ہلاک ہوئے۔

آپ کو یہاں بے شمار ایسے لوگ بھی ملیں گے۔ جنہیں اپنی قربانیوں اور زندگی بھر کی جدوجہد کا کوئی صلہ نہ ملا۔ مثلاً انبیائے کرام، اقبال جیسے مفکر، سعدی و رومی جیسے علماء اور منصور و بایزید جیسے اولیاء اور کچھ ایسے بھی ملیں گے۔ جنہوں نے ملک کے ملک تباہ کئے۔ لاکھوں کو قتل کیا اور انہیں کوئی سزا نہ ملی۔ مثلاً تاتاری، ہنز، تیمور، حجاج، ہٹلر وغیرہ۔ انصاف کا تقاضہ اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے کہ تاتاریوں کے لیے ایک ہولناک جہنم اور انبیاء و صالحین کے لیے ایک ابدی جنت تعمیر کی جائے۔ اللہ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں نہ صرف اعمال کے نتائج سے مطلع کیا۔ بلکہ جنت و جہنم کی بھی خبر دے دی۔ مایوس لوگوں کے لیے اس تصور میں کس قدر تسکین ہے کہ آگے چل کر ان کی تمام ناکامیوں کی تلافی ہو جائے

گی۔ جن لوگوں کے ہاں یہ تصور موجود نہیں۔ وہ کس مقصد کے لیے جان و مال کی قربانیاں دیں؟ صرف پیٹ کے لیے؟ اشرف المخلوقات کی یہ توہین؟

خودی کے نگہبان کو ہے زہر ناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب (اقبالؒ)

2- ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام کا مثالی معاشرہ صرف چند سال یعنی حضرت علیؓ کی شہادت تک باقی رہا اس دوران میں بھی تین خلفاء قتل ہوئے۔ اور بعد میں شاہوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کیا یہ اسلام کی ناکامی پہ ایک واضح شہادت نہیں؟
جواباً گزارش ہے کہ کسی شخص کا قتل اس کے مشن کی ناکامی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ بروئے انجیل حضرت مسیحؑ مصلوب ہوئے۔ حضرت الیاسؑ کو آرے سے چیرا گیا اور یہود نے بیسیوں نبی قتل کر ڈالے۔ لیکن ان کا مشن آگے ہی بڑھتا گیا۔ اگر آج دنیا میں کروڑوں سر اﷲ کے سامنے جھک رہے ہیں۔ دوسروں کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دے رہے ہیں۔ اور خیر وشر کا تصور بڑی حد تک وہی ہے جو انبیاء نے دیا تھا تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انبیاء کا مشن ناکام ہو گیا تھا۔ چند افراد کے قتل ہو جانے سے ان کے مشن کا ناکام نہیں ہو جاتے۔ بلکہ بعض اوقات انہیں زیادہ تب و تاب ملتی ہے۔ اگر خلفاء بھی قتل ہو گئے تھے تو کیا ہوا؟ اس وقت تک ان کا مشن بخارا سے مصر اور اناطولیہ سے قندھار تک جڑ پکڑ چکا تھا اور 50 لاکھ مربع میل میں صرف اﷲ کی پرستش ہو رہی تھی۔ بعد میں یہ سلسلہ مغرب میں وسط فرانس اور مشرق میں مدارس و ملایا تک پھیل گیا اور کروڑوں بت پرست خدائے قدوس کے سامنے جھک گئے۔ کیا یہ اسلام کی ناکامی کی دلیل ہے؟

یہ درست کہ خلفاء کے بعد ملوک و سلاطین کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ان ملوک میں بھی بیسیوں ایسے خدا ترس، متقی، انسان دوست اور عادل موجود تھے۔ جنہوں نے اسلامی تہذیب، علوم و فنون اور صحت مند نظریات کی اشاعت میں بڑا کام کیا۔ ان میں

مہدی (158۔169ھ) ہارون (170-193ھ) مامون (198-218ھ) عبدالرحمان الداخل (138-172ھ) الحکم (180-206ھ) صلاح الدین ایوبی (564-589ھ) الپ ارسلان (455-465ھ) اور سنجر (511-552ھ) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مستشرقین کی شہادت

علمائے مغرب کی ایک خاصی تعداد اسلام پہ لکھ رہی ہے۔ مثلاً آربری، نکلسن، براؤن، سخاؤ، شلر، مارگولیتھ، گِب وغیرہ۔ یہ لوگ مستشرق کہلاتے ہیں۔ ان کی اکثریت اسلام کے خلاف ہے۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو اسلامی تعلیمات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مثلاً:

ہنگری کا ایک ممتاز پروفیسر جرمینس لکھتا ہے:

''اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں وہ بے پناہ توانائی ہے کہ وہ مسلمانوں کو پھر زندہ کرسکتی ہے۔ دنیا کا کوئی معاشرہ اسلامی نظام اخلاق کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ نظام ضبط نفس، محنت، ذہانت، صداقت اور خدمت جیسے اوصاف پہ مشتمل ہے۔ اور اس میں بڑی توانائی ہے۔'' ❶

2- انگلستان کا ایک مفکر سر ولیم بلنٹ اپنی ایک کتاب ''دی فیوچر آف اسلام'' میں لکھتا ہے:

''اسلام کے پاس اولاد آدم کو دینے کے لیے اتنا کچھ ہے کہ وہ بالآخر دنیا بھر کو اپنی طرف مائل کر لے گا۔'' (1)

3- بیسویں صدی کے آغاز میں انگلستان سے ایک جریدہ ''NINETEENTH CENTURY and AFTER'' کے نام سے نکلا کرتا تھا۔ اس کی ایک

---

❶ گلوریز آف اسلام ص208

اشاعت مورخہ جون 1919ء میں تھیوڈور مارنیسن کا ایک مقالہ ''اسلام اینڈ انگلینڈ'' شائع ہوا تھا۔ اس میں کہتے ہیں:

''اسلام صرف عقیدہ ہی نہیں۔ بلکہ ایک مکمل نظام حیات ہے۔ یہ ایک ایسی تہذیب ہے۔ جس کے ساتھ ایک فلسفہ بھی ہے .... کوئی مسلمان اس بات کو ماننے کے لیے آمادہ نہیں کہ اسلام مر چکا ہے یا اس میں زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت موجود نہیں۔'' ❶

4- امریکہ ایک عالم LOTHROP STODDARD لکھتا ہے:

''آج سے دو سو سال پہلے مسلمان تنزل کی انتہائی پستیوں میں گر چکے تھے۔ لیکن اب وہ پھر بیدار ہو رہے ہیں۔ یہ بیداری یورپ سے رابطہ قائم ہونے کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اسلام کی اپنی توانائی کا ثمر ہے۔'' ❷

5- آئرلینڈ کا مشہور ڈرامہ نگار اور فلسفی جارج برنارڈ شاہ کہتا ہے:

''اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکتا اور ہر نسل کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ محمد ﷺ کو عیسائیت کا دشمن کہنا غلط ہے۔ آپ نوع انسان کے نجات دہندہ تھے۔ آپ ایک عظیم شخصیت تھے۔ اگر آپ کو عصر رواں کا ڈکٹیٹر بنا دیا جائے تو آپ دنیا کے تمام مسائل حل کر لیں گے اور اسے امن و مسرت کا گہوارہ بنا دیں گے۔ آج کا یورپ اسلام قبول کر رہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کارلائل (1795ء۔ 1881ء)، گبن (1737ء۔ 1794ء) اور گوئٹے (1749ء۔ 1832ء) نے اسلام سے گہرا اثر لیا تھا اور آج لاکھوں یورپی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ غالباً یورپ کے مائل بہ اسلام ہونے کا آغاز

---

❶ گلوریز آف اسلام ص210

❷ گلوریز آف اسلام ص210

ہو چکا ہے۔'' ❶

6- 1955ء میں امریکہ کے ایک میگزین ''لائف'' میں ''اسلام'' کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا تھا۔ جس کا ملخص یہ۔ کہ

''اسلام کی توانائی اس کی سادہ، مثبت اور حیات بخش تعلیمات میں ہے۔ انہی تعلیمات کی بدولت مسلمانوں میں عقیدہ وعمل کی وحدت پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا نظام حیات ہے۔ جس سے ملتی جلتی کوئی چیز یورپ میں موجود نہیں۔ اسلام کی اس تعلیم نے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ وہ ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور جزا و سزا کے احکام جاری کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے کردار پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اور ان کی زندگی میں عظمت ومعنویت پیدا کر دی ہے۔'' ❷

7- سوشیالوجی کے ایک پروفیسر جارج کسک کے تاثرات یہ ہیں:

''اسلام کی ایک خوبی اس کی سادہ تعلیم ہے اور دوسری اس کی شریعت جس نے مسلمانوں کو مربوط ومنظم کر رکھا ہے۔'' ❸

8- History of Religions کا مصنف DENIS SAURAT لکھتا ہے:

''اسلام عصر رواں میں بھی زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کی تعلیمات مطابق عقل ہیں۔ عیسائیت اور سیاست کا باہم کوئی تعلق نہیں رہا۔ لیکن اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں پہ محیط ہے۔ ان میں سیاست بھی شامل ہے۔'' ❹

9- امریکہ کے ایک پادری H. GRANDALL کا ایک مقالہ The impact of Islam on Christianity کے عنوان سے 1956ء کے ''اسلامک

---

❶ گلوریز ص212

❷ ایضاً ص211

❸ ایضاً ص213

❹ ایضاً ص213

ریویو‘‘ میں شائع ہوا تھا۔ اس میں کہتا ہے:

’’مسلمانوں کے پاس دنیا کو دینے کے لیے ایک واضح اور مثبت نظام حیات موجود ہے۔ اور یورپ سے ان کا یہ مطالعہ کہ انہیں بھی برابر کا ایک معزز شہری سمجھا جائے، بجا اور درست ہے۔‘‘ ❶

10- فرانس کے ایک عالم عربی JACQUES. C کی رائے:

’’دولت اور اسلحہ کی برتری کی وجہ سے آزادی و جمہوریت کی موت واقع ہو رہی ہے اور جگہ جگہ ڈکٹیٹر برسر اقتدار آ رہے ہیں۔ گو مسلمان تذبذب اور غیر یقینی صورت حال سے دو چار ہیں۔ تاہم میری رائے میں اسلام آزادی کا آخری حصار ہے۔‘‘ ❷

11- ابرہام موزز ABRAHAM MOSES امریکہ کا ایک ممتاز ماہر تعلیم ہے۔ مارچ 1956ء میں اس نے روٹری کلب ڈھاکہ کے ارکان کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

’’اسلام ایک ازلی و ابدی مذہب ہے۔ یہ اپنے پیروؤں کو اندھی اطاعت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ عقل کو استعمال کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اسلام کا موجودہ انحطاط عارضی ہے۔ جو مذہب تلاش علم اور تحقیق کا حکم دیتا ہو وہ کبھی مر نہیں سکتا اور اس کے ابھرنے کے امکانات بہت قوی ہیں۔‘‘ ❸

12- مشہور مورخ گبن لکھتا ہے:

’’ہم اسلام کے پھیلنے پہ اتنے حیران نہیں جتنا اس کے بقا و دوام پر ہیں۔ اسلام نے مکہ و مدینہ میں جو اثرات پیدا کئے تھے۔ وہ بارہ سو سال گزر جانے کے

---

❶ گلوریز ص 214

❷ ایضاً ص 215

باد جود آج بھی موجود ہیں۔" ❶

-13 ایک انگریز مستشرق باسورتھ سمتھ کا قول ہے:

"اسلام ناقابل شکست قوت کا مالک ہے۔" ❷

-14 ڈاکٹر جے۔ایچ۔ برجز کی رائے:

"اسلام کا مفہوم ہے جھکنا اور اپنے آپ کو خدائی مشیئت کے سپرد کر دینا۔ اسلام دو باتوں پہ بہت زور دیتا ہے۔ عبادت اور انفاق۔ یہ انسان کو بلند مقامات تک پہنچانے کی ضمانت دیتا ہے۔" ❸

-15 سر چارلس ایڈورڈ آرچی بانڈ ہملٹن کہتا ہے:

"عیسائیت انسان کو پیدائشی گنہگار ٹھہراتی ہے۔ لیکن اسلام اسے معصوم قرار دیتا ہے اور اسلام مرد اور عورت کو ایک ہی درخت کی دو شاخیں اور برابر برابر ذہنی، روحانی اور اخلاقی صلاحیتوں کا حامل سمجھتا ہے۔" ❹

-16 پروفیسر گب کی رائے:

"اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ زندگی کے ہر پہلو پہ حاوی۔ اس کی بنیاد خیرو تقویٰ پہ ڈالی گئی ہے۔" ❺

-17 ڈاکٹر ویل (WELL) کہتا ہے:

"یہ درست کہ اسلام کا سیاسی عروج ختم ہو چکا ہے۔ لیکن اس کی روحانی عظمت آج بھی باقی ہے۔ اسلام کے عقائد سادہ اور تمام پیچیدگیوں سے پاک ہیں۔" ❻

---

❶ گلوریز ص 215

❷ گلوریز ص 215

❸ ایضاً ص 216

❹ ایضاً ص 217

❺ ایضاً ص 218

❻ ایضاً ص 218

18- ڈاکٹر ڈریپر ایل۔ ایل۔ ڈی اپنی کتاب History of Intellectual Development of Europe میں لکھتا ہے:

''محمد ﷺ نے صفائی، بدن کی پاکیزگی، نماز اور روزے کا حکم دے کر اپنے پیروؤں کی زندگی کو نکھار دیا تھا۔''❶

19- مسٹر ایم۔ این۔ رائے کا تجزیہ یہ ہے:

''اسلام کی حیرت انگیز کامیابی کی وجوہ دو تھیں۔

اول: اس کی انقلابی روح۔

دوم: قیادت کی صلاحیت۔ ظہور اسلام کے وقت یونان، رومہ، ایران، چین اور ہند کی تہذیبیں، رو بہ زوال تھیں اور ہر چار سو مایوسی و مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اسلام نے دنیا کو اس مایوسی سے نکال کر نئی سیاسی، اخلاقی اور روحانی عظمتوں کا راستہ دکھایا۔ اسلام کا پھیلاؤ تاریخ انسانی کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ رومہ کی عظمت و وسعت سات سو سالہ فتوحات کا نتیجہ تھا۔ بااین ہمہ وہ اسلامی سلطنت سے جو صرف 80 برس میں ملتان سے فرانس تک پھیل گئی بہت چھوٹی تھی۔ ایران ایک ہزار سال تک رومہ کا مقابلہ کرتا رہا لیکن اسلام نے اسے صرف دس سال میں مسخر کر لیا۔''❷

20- مشہور مؤرخ گبن (زوال روم کا مصنف) لکھتا ہے:

''جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عرب کے چند بدوؤں نے ساتویں صدی عیسوی کی دو عظیم سلطنتوں (ایران و رومہ کو دیکھتے دیکھتے روند ڈالا تھا تو ہم حیرت میں کھو جاتے ہیں۔ محمد ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد پچاس سال کے اندر اندر اس کے جوشیلے پیروؤں نے ہلالی پرچم ایک طرف اطلانتک کے ساحل اور دوسری طرف ہند کی سرحدوں پہ گاڑ دیا۔ دمشق کے پہلے خلیفہ (امیر معاویہؓ) کی سلطنت

---

❶ گلوریز ص 218

❷ ایضاً ص 219

اتنی وسیع تھی کہ ایک شتر سوار ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پانچ ماہ میں پہنچتا تھا۔ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں خلفاء نہایت طاقتور اور عظیم حکمران بن چکے تھے۔ اسلام وہ عظیم انقلاب ہے جس نے اقوام عالم کے ذہنوں پر لازوال نقوش ثبت کیئے ہیں۔'' [1]

-21 ''ہسٹری آف یورپ'' کا مصنف ایچ۔اے۔ایل فشر لکھتا ہے:

''اسلام سے پہلے عربوں میں ریاست کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ان کا کام آپس میں لڑنا، چھوٹی موٹی تجارت کرنا اور شعر کہنا تھا لیکن اسلام لانے کے بعد یہ دنیا کی عظیم طاقت بن گئے۔ان کے جہاز بحیرۂ روم پہ چھا گئے۔انہوں نے رومی و یونانی جزائر کو پامال کر ڈالا اور دنیا سوچنے لگی کہ کیا عربوں کے سیلاب کو روکنا ممکن ہے؟ اس وقت کا یورپ فرانس کے ساحل سے بحیرۂ مارمورا تک ایک ایسی تہذیب سے خوف زدہ تھا جس کی بنا اسلام نے ڈالی تھی۔'' [2]

-22 مشہور مستشرق فلپ حتی (PHLIP HITTI) کہتا ہے:

''اگر کوئی شخص ساتویں صدی عیسوی کے پہلے ثلث میں یہ پیشگوئی کرتا کہ غیر مہذب اور وحشی عرب صحرا سے نکل کر دس پندرہ برس میں پورے ایران اور رومہ کے ایشیائی اضلاع کو مسخر کر لیں گے تو اسے دیوانہ سمجھا جاتا۔لیکن یہ انہونی بات ہو کر رہی۔محمد ﷺ کی وجہ سے عربستان ایک نرسری بن گیا۔جہاں سے ہر شعبۂ حیات کے ایسے ممتاز ہیروز نکلتے تھے۔جن کی مثال کہیں اور موجود نہ تھی۔خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کی مہمات کے سامنے نپولین [3]،

---

[1] گلوریز ص219

[2] ایضاً ص219

[3] نپولین بونا پارٹ 1769ء میں پیدا ہوا۔تیس سال کی عمر میں (1799ء) فوجی انقلاب کے ذریعے برسراقتدار آ گیا۔آسٹریا، اٹلی اور مصر کو شکست دینے کے بعد روس پہ چڑھ دوڑا۔جہاں اس کی فوج کا بیشتر حصہ برف میں تباہ ہو گیا۔1815ء میں واٹرلو کی شکست کھائی اور سینٹ ہلینا (اطلانطک کا ایک جزیرہ) میں اسے قید کر دیا گیا۔وفات 1821ء۔

ہنی بال ❶ اور اسکندر یونانی ❸ کی فتوحات حیثیت نہیں رکھتیں۔'' ❷

23- پروفیسر فنلے (FINLAY) اپنی مشہور کتاب ''ہسٹری آف دی بائیز نطاین امپائر'' میں لکھتا ہے:

''چونکہ ایرانی و رومی بادشاہ ظالم، سنگدل، رعایا سے لاپرواہ اور متکبر واقع ہوئے تھے۔ اس لیے ان کی رعایا نے ہر جگہ عربوں کا استقبال کیا۔ کیونکہ عرب خدا ترس، عادل اور لوگوں پہ بہت مہربان تھے۔'' ❹

24- ممتاز مؤرخ ایچ۔ جی۔ ویلز کی رائے:

''اسلام کے پھیلنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کا سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی نظام بہترین تھا۔ اس میں وسعت، تازگی، ندرت اور پاکیزگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سامنے رومیوں کا غلام ساز اور ظالمانہ نظام اور یورپ کی بے روح تہذیب دم توڑ گئی۔ دنیا اسلام کی طرف اس کے عقیدۂ توحید، انداز عبادت اور بلند تعلیمات کی وجہ سے مائل ہوئی تھی۔'' ❺

25- G. D. DENISON اپنی کتاب EMOTION AS THE BASIS OF CIVILISATION میں لکھتا ہے:

---

❶ ہنی بال ٹیونس کے ایک شہر قرطاجنہ میں 247 ق م کو پیدا ہوا۔ 229 ق م میں باپ کے مرنے پر اقتدار سنبھالا۔ 418 ق م میں سپین، فرانس اور آسٹریا کو روندکر اٹلی پہ حملہ آور ہوا لیکن شکست کھائی اور 183 ق م میں خودکشی کر لی۔

❷ اسکندر کی ولادت 356 ق م میں ہوئی تھی۔ 336ء میں بادشاہ بنا۔ 334 ق م میں ایشیائے صغیر، شام، مصر اور ایران کو روندنے کے بعد 326 ق م میں دریائے اٹک کو عبور کر کے جہلم پہنچا۔ پھر بلوچستان کے راستے واپس۔ 323 ق م کو عراق میں مرگیا۔

❸ گلوریز ص 221

❹ ایضاً ص 222

❺ ایضاً ص 223

"ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمام تہذیبیں بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ اسلام نے ایک تازہ و توانا تہذیب دے کر نوع انسان میں بھر جان ڈال دی۔" [1]

باسورتھ سمتھ کہتا ہے:

"افریقہ میں مسلمانوں نے بعض شہروں کو اتنی ترقی دی کہ تاجر وہاں دور دراز ممالک سے مسالے، ہاتھی دانت، سونا اور دیگر اشیاء لانے لگے۔ لوگ آسودہ حال ہو گئے۔ ایک روشن تہذیب پھیلنے لگی، ذہن آزادانہ سوچنے لگے، زبان پہ کوئی پابندی نہ رہی، اور جا بجا علم کے مرکز قائم ہو گئے۔ آج سے تین چار سو سال پہلے جب یورپی حملہ آور افریقہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے سب کچھ تباہ کر دیا، تجارت پہ قابض ہو گئے، آباد شہر جلا دیئے اور علم کے مراکز بند کر دیئے۔ با ایں ہمہ آج اسلام نہ صرف زندہ ہے بلکہ سیلاب کی صورت صحرائے اعظم کے جنوب میں بڑھ رہا ہے۔

Can anyone doubt that Islam possesse within itself phoenix like lowers (regeneration and a truly industructible vitality

کیا اس حقیقت میں اب بھی کسی کو شک ہے کہ سمندر (کیڑہ) کی طرح اسلام اپنی خاکستر سے بار بار جنم لیتا ہے۔ اور اس کی توانائی لازوال ہے۔" [2]

تھے چند مستشرقین۔ بے جا نہ ہو گا اگر ہم یہاں حکیم مشرق علامہ اقبالؒ کی رائے بھی ۔ فرماتے ہیں۔

صرف اسلام ہی ہے کہ جو جہان نو کی تخلیق کر سکتا ہے۔ ایشیا کبھی ایسے نظام سامنے نہیں جھک سکتا۔ جو روس کی طرح افرادی طاقت کا استحصال کرتا ہو یا

گلوریز ص 225

گلوریز ص 235

امریکہ ویورپ کی طرح افراد کو لذت پرستی کی آزادی دیتا ہو اسلام رنگ ونسب کا
قائل نہیں، نہ مال و جاہ کو معیار عزت قرار دیتا ہے۔ اسلام میں غریب، امیر پر
ٹیکس لگاتا ہے۔ اس نظام کی اساس مساوات شکم پر نہیں۔ بلکہ خیر وتقویٰ پر ڈالی
گئی ہے۔ انسان کی عظمت اللہ کے قرب میں ہے۔ اور اسلام اسی عظمت کا درس
دیتا ہے۔'' (1)

القرآن

قرآن مجید وحی الٰہی کا آخری اور مکمل ایڈیشن ہے جو نوع انسان کی فلاح کا ضامن
ہے۔ عصر حاضر دو انسانی نظریوں کی گرفت میں ہے۔ ایک طرف اشتراکیت ہے اور دوسری
طرف سرمایہ دارانہ نظام۔ اشتراکیت نے خدا کا انکار کر کے اپنی موت کا خود ہی انتظام کر لیا
ہے۔ انسان ہر وقت نئی نئی بلندیوں کی تلاش میں رہتا ہے اور اسے روٹی کے ایک ٹکڑے
سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اور انسانی تگ و دو کی
آخری منزل ہے۔ اشتراکیت نے انسان سے اس کی یہ منزل چھین لی اور اسے وادیٔ حیات
میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا۔ سرمایہ داری نے اسے زر طلبی، عیاشی اور جنسی آزادی کی تعلیم دی
اور وہ گرتے گرتے پہی بن گیا۔ اب مفکرین عالم کسی ایسے نظریئے کی تلاش میں ہیں جو ایک
طرف انسان کو اس کی بنیادی ضروریات فراہم کرنے کی ضمانت دے اور دوسری طرف
اسے معنوی و روحانی عظمتوں کی راہ دکھائے۔ یہ چیزیں صرف اسلام سے مل سکتی ہیں۔
قرآن عصر رواں کے تمام تقاضوں اور معیاروں پہ پورا اترتا ہے۔ یہ ایک طرف زور علم سے
کائنات کو مسخر کرنے اور زمین کے خزائن و دفائن سے متمتع ہونے کا درس دیتا ہے تو دوسری
طرف ہمارا رابطہ اللہ سے قائم کر کے ہمیں جلیل و جمیل بناتا ہے۔
آیئے۔ قرآنی تعلیمات کے چند پہلوؤں پہ نظر ڈالیں:

---

(1) گلوریز ص 237

ا۔ اللہ

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَ قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾ (مومن: ۲ تا ۳)

"یہ کتاب (قرآن) غالب و صاحب علم رب نے نازل کی ہے جو گناہوں کو ڈھانپتا، توبہ قبول کرتا، بدکاروں کو سخت عذاب دیتا۔ نیز طاقتور اور لاثانی ہے۔ ہم سب کی منزل وہی ہے۔"

ہُوَ الَّذِیۡ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنۡشِیُٔ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿ۚ۱۲﴾ وَ یُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِہٖ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مِنۡ خِیۡفَتِہٖ ۚ وَ یُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیۡبُ بِہَا مَنۡ یَّشَآءُ وَ ہُمۡ یُجَادِلُوۡنَ فِی اللّٰہِ ۚ وَ ہُوَ شَدِیۡدُ الۡمِحَالِ ﴿ؕ۱۳﴾ (الرعد: ۱۲ تا ۱۳)

"وہی ہے جو تم کو خوف دلانے اور امید دلانے کے لیے دکھاتا اور بھاری بادل اٹھاتا ہے اور گرج اور جملہ فرشتے اس کے خوف سے تسبیح وتحمید میں مشغول ہیں ور بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان پر گرا دیتا ہے اور وہ اللہ کے بارے ھگڑتے ہیں۔ حالانکہ اللہ بڑا ہی زبردست پکڑ والا ہے۔"

رَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ﴿۵﴾ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی ۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا وَ مَا تَحۡتَ الثَّرٰی ﴿۶﴾ وَ اِنۡ تَجۡہَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّہٗ لَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰی ﴿۷﴾ (طہ: ۵ تا ۷)

ب ذوالجلال اپنے تخت پر متمکن ہے۔ ہر وہ چیز جو زمین و آسمان میں یا ان ، مابین یا زمین کے نیچے ہے اللہ کی ہے۔ تم بات اونچی کرو (یا نیچی۔ فرق نہیں ؟)۔ کیونکہ وہ ہر راز سے آگاہ ہے۔ خواہ وہ پوشیدہ ہو یا پوشیدہ تر۔"

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ وَالنُّجُوۡمُ وَالۡجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَکَثِیۡرٌ حَقَّ عَلَیۡهِ الۡعَذَابُ ؕ وَمَنۡ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّکۡرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۱۸﴾

(الحج:۱۸)

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ ارض وسما کی مخلوق، سورج، چاند، تارے، پہاڑ، درخت، چار پائے اور بہت سارے انسان اللہ کے سامنے سربسجود ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو مستحق عذاب بن چکے ہیں۔ جس شخص کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی دوسرا عزت نہیں دے سکتا اور اللہ جو چاہے کرتا ہے۔''

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّیۡرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ کُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِیۡحَهٗ ؕ

(النور:۴۱)

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ ارض وسما کی تمام مخلوق اور بازو پھیلا کر اڑنے والے پرندے اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں اور ہر ایک اپنی نماز وتسبیح سے آگاہ ہے۔''

عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ لَا یَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِکَ وَلَاۤ اَکۡبَرُ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳﴾

(سبا:۳)

''اللہ عالم الغیب ہے۔ ارض وسما کا ہر ذرہ، ذرے سے چھوٹا اور بڑا اس کی کتاب علم میں درج ہے۔''

اِنَّ اللّٰهَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۬ۚ وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَکَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۱﴾

(فاطر:۴۱)

"اللہ نے کرۂ ارض اور سیاروں کو ان کو مداروں میں تھام رکھا ہے۔ اگر یہ اپنے مقام سے سرک جائے تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور ہے جو انہیں روک سکے۔"

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ (ق:۱۶)

"ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ ہم ان خیالات سے بھی آگاہ ہیں جو اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔"

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ

(حشر: ۲۳ تا ۲۴)

"اللہ وہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر جلی و خفی سے آگاہ، رحمان، رحیم۔ اللہ وہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ آقائے ارض و سما، مقدس، عیوب سے پاک، امن دینے والا، نگہبان، غالب، صاحب جبروت و کبریاء، شرک سے پاک، خالق کائنات، درست کرنے والا، اور صورتیں بنانے والا ہے۔ اس کے نام بڑے ہی پیارے ہیں۔"

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ (جن: ۲۶ تا ۲۸)

"اللہ عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیب سے صرف اس رسول کو اطلاع دیتا ہے جسے وہ انتخاب کرے۔ وحی کے وقت اللہ رسول کے آگے پیچھے پہرے لگا دیتا ہے۔ تا

کہ رسول تک بات کا پہنچنا یقینی ہو جائے۔''

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

(فاطر: ۲۷-۲۸)

''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسا کر اس سے کئی رنگ کے پھل نکالے؟ ذرا پہاڑوں پہ نگاہ ڈالو۔ وہاں آپ کو احجار و معادن کے مختلف اللون طبقے نظر آئیں گے۔ سفید، سرخ، کئی دیگر رنگ کے اور کالے بھجنگ، اسی طرح آدمیوں، جانوروں اور چوپایوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں۔''

''سائنس دان صدیوں کی تحقیق کے بعد اس نتیجے پہ پہنچے ہیں کہ ارض و سما کی تخلیق سے پہلے خلا میں تمام اشیاء کا ہیولیٰ (مادہ) دھوئیں کی صورت میں تیر رہا تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ خلا میں چکر سے چلنے لگے۔ یہ ہیولی سمٹ کر الگ الگ کرّوں میں بٹ گیا۔ یہ کرّے ایک دوسرے سے لاکھوں میل دور اپنے مداروں پہ گھومنے لگے۔ آغاز میں زمین سخت گرم تھی۔ بعد میں جب اس کی سطح ٹھنڈی ہوگئی تو اردگرد کے بخارات پانی بن کر زمین پہ ٹپک پڑے اور سمندر کہلانے لگے سورج لاکھوں سال تک سمندری دلدلوں پہ چمکتا رہا۔ اور بالآخر وہاں ایک خلیئے کا خوردبینی پراٹوزا (جاندار) پیدا ہو گیا۔ اور یوں حیات کا آغاز ہوا۔ ان مدارج میں سے بعض کا ذکر قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا

فَفَتَقۡنٰهُمَا ؕ وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَىۡءٍ حَىٍّ ؕ اَفَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۰﴾
وَجَعَلۡنَا فِى الۡاَرۡضِ رَوَاسِىَ اَنۡ تَمِيۡدَ بِهِمۡ (انبیاء: ۳۰ تا ۳۱)

''کیا کفار یہ نہیں دیکھتے کہ آغاز میں ارض وسماء کا ہیولی ایک تھا۔ پھر ہم نے اسے الگ الگ کیا اور پانی سے زندگی کا آغاز کیا۔ کیا وہ اب بھی نہیں مانیں گے؟ ہم نے زمین پر بھاری پہاڑ ڈال دیئے۔ تاکہ زمین ایک طرف کو جھک (سرک) نہ جائے۔''

آغاز میں جب زمین سورج سے الگ ہوئی تو بہت گرم تھی اور اس کا حجم بہت زیاد تھا۔ بعد میں ٹھنڈی ہو کر سکڑنے لگی۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَـنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ ؕ
(رعد: ۴۱)

''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اطراف سے سکیڑتے چلے جا رہے ہیں۔ کائنات میں صرف اللہ کا حکم چلتا ہے اور اس کے حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں۔''

کھیتی باڑی کون کرتا ہے۔ جب زمین اللہ کی ہے سب بیل اس کے اور بارشیں اس کی ہیں۔ اسی کے حکم سے بیج اگتا اور پھلتا پھولتا ہے تو پھر سوال بالا کا ایک ہی جواب ممکن ہے کہ اللہ۔

اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ ﴿۶۴﴾

(واقعہ: ۶۳ تا ۶۴)

''کیا تم نے کبھی سوچا کہ کھیتی باڑی کون کرتا ہے؟ تم یا ہم۔''

اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴿۳۰﴾

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ (عبس:۲۵ تا ۳۲)

''ہم نے بارش برسائی۔ پھر زمین کا سینہ چیر کر اس سے غلہ، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغ، میوے اور چارہ پیدا کیا۔ یہ سب کچھ خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے ہے۔''

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

(روم:۲۰ تا ۲۷)

''اللہ کے نشانات و آیات میں سے ایک یہ کہ اس نے تمہیں خاک سے پیدا کیا اور پھر تم ہر طرف پھیل گئے۔ دوسرا یہ کہ تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویاں پیدا

کیں۔ تا کہ تمہیں سکون اور راحت ملے پھر تمہیں ایک دوسرے سے رحم و محبت
کے رشتوں میں باندھ دیا۔ اس میں ارباب فکر کے لیے کچھ اسباق پنہاں ہیں۔
ایک اور نشان یہ کہ اللہ نے ارض و سماء کی تخلیق کی اور زبانوں اور رنگوں میں تنوع
پیدا کر دیا۔ ان میں اہل علم کے لیے کچھ اسباق پنہاں ہیں۔ ایک اور یہ کہ تمہیں
رات کے وقت تلاش رزق کے قابل بنایا۔ اس میں سننے والوں کے لیے کچھ
نشانیاں ہیں۔ ایک اور نشان یہ کہ اللہ نے تم میں خوف و امید کے جذبات پیدا
کرنے کے لیے بجلیاں چمکائیں اور مردہ زمین کو زندہ کرنے کے لیے آسمان
سے پانی برسایا۔ اس میں ارباب عقل کے لیے کچھ اسباق ہیں۔ ایک نشان یہ کہ
ارض و سماء اس کے حکم سے قائم ہے...... زمین و آسمان میں اسی کی شان اعلیٰ ہے
اور وہ صاحب غلبہ و حکمت ہے۔"

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ
تَمُوْرُ ﴿١٦﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ
فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿١٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰۗفّٰتٍ
وَّيَقْبِضْنَ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿١٩﴾

(ملك: ١٦ تا ١٩)

"کیا تم رب السماء کی گرفت سے بے فکر ہو۔ اگر وہ زلزلے سے زمین کو پھاڑ کر
تمہیں دھنسا دے تو کیا کرو گے۔ اگر وہ تم پر بلندیوں سے پتھر (یا بم) برسانے
لگے تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس کا ڈرانا کیسا تھا۔ پہلی اقوام نے (رسولوں کو)
جھٹلایا۔ تم نے دیکھا کہ میری ناراضگی انہیں کتنی مہنگی پڑی؟ کیا وہ فضا میں اڑتے

ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ دوران پرواز وہ کبھی پروں کو پھیلاتے اور کبھی سمیٹتے ہیں؟ اللہ کے سوا انہیں تھامنے والا کون ہے؟"

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ (مجادلہ:۷)

"کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ زمین و آسمان کی ہر بات کو جانتا ہے۔ اگر تین آدمی مشورہ کر رہے ہوں تو وہ چوتھا ہوتا ہے۔ اگر چار ہوں تو پانچواں۔ وہ اس سے کم ہوں یا زیادہ۔ اللہ ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔"

سائنس دانوں کا خیال یہ ہے کہ یہ کائنات چھ منازل (ادوار) سے گزر کر مکمل ہوئی تھی۔ پہلا دور مختلف سیاروں (زمین شامل) کی تکوین کا تھا۔ دوسرا ان کی گزرگاہوں کے تعین رفتار اور مسافتوں کا۔ تیسرا کاوشوں کا۔ چوتھا زلزلوں اور پہاڑوں کی تشکیل کا۔ پانچواں زندگی کے آغاز کا اور چھٹا ظہور آدم کا۔ ادوار کی یہ تقسیم محض قیاسی ہے۔ اللہ نے ان چھ ادوار کا ذکر یوں کیا ہے:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ

الْعَلِيْمِ﴿۱۲﴾ (حم سجدہ: ۹تا ۱۲)

”کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے یا شریک ٹھہراتے ہو۔ جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔ یہ ہے رب کائنات۔ اس نے زمین پر پہاڑ ڈالے۔ اسے بابرکت بنایا۔ اس میں تمام زندہ اشیاء کی خوراک رکھی اور یہ سب کچھ چار دن میں کیا۔ غذا کے یہ ذخائر سب کے لیے ہیں۔ جب اللہ نے آسمان بنانے کا ارادہ کیا تو خلا میں دھواں ہی دھواں تھا۔ اللہ نے ارض و سماء سے کہا کہ آؤ خوشی سے یا جبراً اور اپنا کام شروع کیا۔ دونوں کہنے لگے۔ ہم بہ رضا و رغبت حاضر ہیں۔ سو اللہ نے دو دنوں میں سات آسمان بنا کر ہر آسمان کو اس کے فرائض سے آگاہ کیا۔ زمین سے قریب ترین آسمان کو چراغوں سے سجایا اور اس کی حفاظت کا انتظام کیا۔ یہ تھا غالب و عالم رب کا پلان یا منصوبہ۔“

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ (نمل: ۶۰ تا ۶۳)

”بھلا کس نے زمین و آسمان پیدا کئے اور آسمان سے پانی برسا کر خوشنما باغ

اگائے۔ ان درختوں کو پیدا کرنا تمہاری طاقت سے باہر تھا۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے؟ یہ لوگ سچائی سے کتنے دور ہیں۔ بھلا وہ کون ہے۔ جس نے زمین کو ہماری رہائش کے قابل بنایا۔ بیچ میں نہریں چلائیں اور دو سمندروں کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دی۔ کیا کوئی اور خدا بھی ہے؟ لیکن لوگوں کی اکثریت حقیقت سے بے خبر ہے۔ بھلا وہ کون ہے جو دکھیا کی پکار سنتا اور دکھ کو دور کرتا ہے۔ وہ کون ہے جس نے تمہیں زمین میں اپنا نائب بنا رکھا ہے۔ کیا کوئی اور خدا بھی ہے؟ بات یہ ہے کہ تم میں نصیحت حاصل کرنے والے بہت کم ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جو تمہیں بحر و بر کے اندھیروں سے نکالتا ہے۔ جو ہواؤں کو قاصدِ رحمت بنا کر بارش کے آگے بھیجتا ہے۔ کیا کوئی اور خدا بھی ہے؟ اللہ لوگوں کے شرک سے بہت بلند ہے۔"

2- قرآن۔ وحی۔ رسالت

قرآن یقیناً اللہ کی کتاب ہے۔ کیونکہ:

(الف) اس کی لسانی بلندیوں تک کوئی ادیب و شاعر آج تک نہیں پہنچ سکا۔ اور قرآن کا یہ چیلنج بدستور فضا میں گونج رہا ہے کہ اگر تمہیں اس کتاب کے خدائی ہونے میں کوئی شک ہے تو آؤ اور تمام مل کر ایک آیت ہی بنا لاؤ۔ لیکن آج تک کوئی نہ بنا سکا۔

(ب) اس کی تعلیمات اتنی عظیم ہیں کہ ان کی پیروی کا لازمی نتیجہ عظمت و رفعت ہے اور کوئی ایک ہدایت بھی ایسی نہیں، جس کی تعمیل میں دکھ پیدا ہو۔

(ج) قرآن نے ہمیں اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ اعمال کے ساتھ ان کے نتائج یوں بندھے ہوئے ہیں جیسے آگ کے ساتھ جلن۔ ہم سات پردوں میں چھپ کر کوئی برائی کریں اس کا بدلہ مل کر رہے گا۔ اس حقیقت کو اللہ نے قرآن میں اتنی مرتبہ دہرایا اور اقوام سلف میں سے اتنی مثالیں پیش کی ہیں کہ ان کو پڑھنے کے بعد

انسان گناہ سے ڈر جاتا ہے اور قرآن کا مقصد بھی یہی تھا۔

(د) قرآن کی تمام پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ جب 616ء میں ایران نے رومیوں کو شکست دی تو اللہ نے فرمایا کہ رومی بہت جلد ایرانیوں پہ فتح حاصل کریں گے اور 624ء میں غزوۂ بدر کے دان یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔

(ہ) اللہ نے مومنوں سے سلطنت کا وعدہ کیا تھا اور وہ حضور کی حیات ہی میں پورا ہوگیا۔

(و) فرعون موسیٰ کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ ''ہم تمہاری نعش کو بچا کر رکھیں گے کہ تو آنے والی نسلوں کے لیے ایک سبق بن جائے'' قرن رواں (بیسویں صدی) کے ربع اول میں اس فرعون کی نعش کہیں سے نکل آئی اور آج وہ قاہرہ کے میوزیم میں رکھی ہوئی ہے۔

(ز) آغاز آفرینش، تخلیق بشر اور بقا و فنائے امم کے متعلق بصیرت افروز تفاصیل پیش کیں۔

اوصاف قرآن

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١

(ھود:۱)

(قرآن ایک ایسی کتاب ہے۔ جس کی لازوال و محکم آیات کی تفصیل (تاریخی امثلہ، تغیر اور کائنات سے) اللہ حکیم وخبیر نے خود پیش کی)

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝٢

(نحل:۲)

(اللہ فرشتوں کو اپنا پیغام دے کر اپنے منتخب رسول کی طرف بایں ہدایت بھیجتا ہے کہ دنیا کو مجھ سے ڈراؤ اور بتاؤ کہ میرے سوا کوئی اور خدا موجود نہیں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ﴿۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ

(کہف: ۱ تا ۲)

(قابلِ تعریف ہے وہ رب جس نے اپنے بندے پہ ایک ایسی کتاب نازل کی جس میں کوئی کجی نہیں اور جو صداقت کی نگہبان ہے۔ مقصد یہ کہ دنیا کو اللہ کے شدید عذاب سے ڈرائے)

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤی ﴿۲﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿۳﴾ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ﴿۴﴾

(طہٰ: ۱ تا ۴)

(اے رسول: ہم نے یہ قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ تو دکھ اٹھائے۔ یہ اللہ سے ڈرنے والے کے لیے درسِ ہدایت ہے اور اسے اس رب نے نازل کیا ہے جو زمین اور بلند آسمانوں کا خالق ہے)

تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱﴾ هُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾

(نمل: ۱ تا ۳)

(یہ بدیات قرآن اور روشن کتاب کی آیات ہیں۔ یہ اُن اہلِ ایمان کے لیے ہدایت و بشارت ہیں جو نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں)

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾

(سجدہ: ۱ تا ۳)

(لاریب یہ کتاب رب کائنات کی طرف سے ہے۔ کفار کہتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کی اپنی تصنیف ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تیرے اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ تا کہ تو اس قوم کو ڈرائے اور ہدایت دے جس کے پاس اس سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا شاید کہ وہ ہدایت پائیں۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ (حم سجدہ:۱تا۴)

(یہ عربی کا قرآن واضح ہدایات پہ مشتمل ہے اور رحمان ورحیم رب نے اسے ایک ایسی قوم کے لیے نازل کیا ہے جو سمجھ بوجھ کی مالک ہے۔ یہ نیکی ہر جزا کی بشارت سناتا اور بدی کے نتائج سے ڈراتا ہے۔ مقام تاسف ہے کہ بہت سے لوگوں نے منہ پھیر لیا اور سننے سے انکار کر دیا)

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ❶ ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ (نجم:۱تا۱۰)

(اس ستارے کی قسم جو افق سے نکل کر سیدھا اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے کہ تمہارا ساتھی (حضور) نہ تو بہکا ہے نہ بھٹکا ہے۔ وہ دل سے باتیں نہیں گھڑتا۔

---

❶ ھَوٰی کے دو معنی ہیں۔ بلندیوں کی طرف چڑھنا اور بلندیوں سے اترنا۔ مفسرین نے عموماً دوسرا مفہوم لیا ہے۔ لیکن دلیل و مدلول میں کوئی رابطہ نہ قائم کر سکے۔ میں نے یہاں پہلا مفہوم لیا ہے۔ کیونکہ افق سے نکل کر بلندیوں کی طرف بڑھتا ہوا ستارہ ہی رسول اکرم ﷺ کی راست روی کی دلیل بن سکتا ہے۔

بلکہ ہمارا بھیجا ہوا پیغام سناتا ہے۔ اس کی تعلیم پہ ایک بہت قوی اور مہیب فرشتہ مقرر ہے۔ یہ فرشتہ پہلے ایک بلند افق پہ نمودار ہوا تھا۔ پھر نیچے اُترا اور اتنا قریب آگیا کہ رسول اور فرشتے میں دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔ اس کے بعد اس نے رسول کو جو کہنا تھا کہہ ڈالا)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ (واقعہ: ۷۵تا۸۰)

(سیاروں کی منازل کی قسم اور یہ بہت بڑی قسم ہے کہ قرآن کریم ایک مخفی کتاب (جس میں کائنات کا ہر راز درج ہے) کا حصہ ہے۔ اسے پاکیزہ و صالح لوگ ہی ہاتھ میں لیتے ہیں اور اسے رب کائنات نے نازل کیا ہے)

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ (الصف: ۹)

(اللہ نے اپنا رسول ہدایت اور سچے نظریۂ حیات کے ہمراہ بایں غرض بھیجا کہ اسے دیگر تمام نظریات پہ غالب کردے خواہ یہ بات مشرکین کو کتنی ہی ناگوار گزرے)

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۤ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾ (الجمعہ: ۲)

عام مفسرین مواقع کا ترجمہ مغارب یعنی مقامات غروب کرتے ہیں۔ مولانا مودودی نے اس سے (تفہیم القرآن) وہ مقامات و منازل مراد لیے ہیں۔ جن سے سیارے گزرتے ہیں۔ ارب کھرب ستارے لاتعداد منازل سے گزر کر آگے بڑھتے ہیں اور نظم و نسق کا یہ عالم کہ کہیں کوئی فتور پیدا نہیں ہوتا۔ اگر انسان قرآن کی پیروی کرے۔ تو وہ زندگی کی ہر افتاد سے اسی طرح نکل جائے گا۔ جس طرح ستارے اپنی منازل سے۔

(اللہ وہ ہے۔ جس نے امیوں (ان پڑھوں) کی طرف انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو انہیں اللہ کی آیات سناتا۔ پاک کرتا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے)

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾

(القلم: ۱ تا ۴)

(ن۔ قلم، اور ان ❶ کے نوشتوں کی قسم کہ تم اللہ کے فضل سے دیوانے نہیں ہو۔ تمہیں اپنی کوششوں کا غیر مختتم (نہ ختم ہونے والا) اجر ملنے والا ہے اور تم عظیم اخلاق کے مالک ہو)

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾

(عبس ۱۱ تا ۱۷)

(یہ قرآن ایک درس ہدایت ہے۔ جس کا جی چاہے۔ اس سے فیض اٹھائے۔ اس کی تعلیمات ان عظیم، بلند اور مقدس صحیفوں میں بھی ہیں۔ جو پہلے معزز و محترم سفیروں (رسولوں) کے پاس تھے۔ مرجائے انسان۔ اسے کفر کی ترغیب کس نے دی)

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾

(اعلیٰ: ۱۸ تا ۱۹)

(یہ قرآن پہلے صحیفوں میں بھی تھا۔ مثلاً ابراہیم و موسیٰ کے صحیفے)

---

❶ ... لکھ لکھ کر کتابوں کے انبار لگا دیے۔ کیا ان اہل قلم کا ہادی و امام دیوانہ تھا؟

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

(بقرہ:۲۳)

''اگر تمہیں اس کتاب کے متعلق جو ہم نے اپنے رسول پہ نازل کی ہے۔ کوئی شک ہے تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو جمع کر کے ایسی ایک سورت ہی بنا ڈالو۔ اگر تم سچے ہو''

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (العمران:۳)

''اللہ نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب اتاری۔ جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے''

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ (نساء:۱۷۴)

''اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کا برہان (قرآن) آچکا ہے اور ہم نے تم پر ایک ایسا نور نازل کیا ہے۔ جس سے کفر وتذبذب کی تاریکیاں کافور ہو گئیں''

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ (مائدہ:۱۵ تا ۱۶)

''اللہ نے تمہیں روشنی دی اور ایک ایسی واضح کتاب عطا کی جو اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے والوں کو امن کی راہیں دکھاتی۔ اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتی اور سیدھی راہ پہ ڈال دیتی ہے''

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

(یوسف:۱۱۱)

''قرآن کی آیات انسان کی تراشیدہ نہیں بلکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق، خیر وشر کی پوری تفصیل اور اہل ایمان کے لیے ہدایت ورحمت ہے''

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹ (حجر:۹)

''یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے۔ اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے''

انواع علم

دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول۔ علم۔ یعنی روشر کا علم، کائنات وتسخیر کائنات (سائنس) کا علم، زندگی کی راہ ومنزل کا علم، تاریخ نفس سانی اور بقاو فنائے اقوام کا علم وفن علی ھذا۔ یہی وہ علوم ہیں جن سے کائنات مطیع ہوتی اور پنے گلے میں غلامی کا طوق ڈال لیتی ہے۔ دوم۔ عشق یا عبادت۔ جس سے ہم رب کائنات پہ کمند پھینک سکتے ہیں۔ علم جلال حیات ہے اور عشق جمال۔ ان دونوں سے حیات کمال حاصل کرتی ہے۔

جمال عشق و مستی نے نوازی
جلال عشق و مستی بے نیازی
کمال عشق و مستی ظرف حیدر
زوال عشق و مستی حرف رازی (اقبالؒ)

یہاں چند ایسی آیات درج ہوں گی۔ جن کا تعلق علم سے ہے۔

يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ؕ (بقرہ:۲۶۹)

''اللہ جسے چاہتا ہے حکمت سے نوازتا ہے اور جسے حکمت مل جائے، سمجھو کہ اسے بے اندازہ دولت مل گئی۔''

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ (عمران:۷)

"مشابہہ (الجھے ہوئے مفہوم والی) آیات کی تفسیر یا تو اللہ جانتا ہے اور یا بلند پایہ ارباب علم۔"

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ

(عمران:۱۸)

(اللہ شہادت دیتا ہے اور اس کے ساتھ فرشتے اور انصاف پہ ڈٹے ہوئے اہل علم بھی کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا موجود نہیں)

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ (فاطر:۲۸)

(اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں)

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ (زمر:۹)

(ان سے پوچھو۔ کہ کیا ارباب علم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟)

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ

(مجادلہ:۱۱)

(اللہ اہل ایمان اور ارباب علم کے درجے بلند کرتا ہے)

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝۴۳

(عنکبوت:۴۳)

(ہم یہ تمثیلات (تمثیل کے رنگ میں باتیں) لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔ لیکن انہیں صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں)

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

(نساء:۱۶۲)

(لیکن اہل کتاب کے بلند پایہ علماء اور اہل ایمان اس وحی کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ جو تم پہ نازل ہوئی ہے)

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ (انعام:۹۷)

(اللہ وہ ہے جس نے بر و بحر کے اندھیروں میں تمہیں راہ دکھانے کے لیے ستارے بنائے ہیں۔ ہم آیات کی تفصیل اہل علم کی خاطر پیش کر رہے ہیں)

نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ (انعام:۱۴۳)

(اگر تم سچے ہو تو کوئی علمی برہان لاؤ)

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اعراف:۵۲)

(ہم ان کے سامنے ایک ایسی کتاب پیش کر رہے ہیں۔ جس کی تفاصیل کی اساس علم پر رکھی گئی ہے)

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ (بنی اسرائیل:۱۰۷)

(جب قرآن کی آیات رسول سے پہلے کے ارباب علم کو سنائی جاتی ہیں۔ تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں)

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ

(عنکبوت:۴۹)

(قرآن کی آیات وہ مدلل حقائق ہیں۔ جو ارباب علم کے سینوں میں پہلے سے موجود ہیں)

علم کائنات

قرآن مجید نے 756 مرتبہ ہمیں کائنات کے مختلف مظاہر کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اور بار بار کہا ہے کہ ارض وسما کی تخلیق، لیل ونہار کی گردش، موسموں کے انقلاب، پہاڑوں، دریاؤں، گھٹاؤں، ہواؤں اور فضاؤں کی رنگینیوں پہ غور کرو۔ اور بطن زمین سے تیل، کوئلہ، فولاد اور دیگر معادن نکال کر اپنے آپ کو اتنا طاقتور بناؤ کہ:

تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ (انفال:٦٠)

(اللہ کا دشمن اور تمہارا دشمن تمہارا نام سن کر کانپ اٹھے)

اس نوع کی چند آیات ملاحظہ فرمایئے۔

وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ﴿۲۵﴾ (الحدید:۲۵)

(ہم نے فولاد اتارا۔ جس میں بڑی ہیبت ہے اور لوگوں کے لیے فوائد بھی۔ اللہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ کون فولاد سے مسلح ہو کر بن دیکھے خدا و انبیاء کی مدد کرتا ہے)

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

(العمران:۱۹۰ تا ۱۹۱)

(زمین و آسمان کی تخلیق اور شب و روز کے ردو بدل میں ارباب دانش کے لیے کچھ اسباق موجود ہیں۔ یہ لوگ کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ نیز زمین و آسمان میں غور و فکر کے بعد اعلان کرتے ہیں کہ اے رب! تو نے کوئی چیز

عبث نہیں بنائی۔ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا)

علمائے تخلیق کا خیال یہ ہے کہ سورج صدیوں سمندر کی ساحلی دلدلوں پہ چمکتا رہا۔ بالآخر وہاں ایک جرثومہ یا خوردبینی جاندار پیدا ہو گیا جو صرف ایک خلیئے (Cell) سے تیار ہوا تھا۔ خلیہ ایک نہایت باریک ذرہ ہے۔ جسم کے ایک چوتھائی انچ میں بیس کروڑ سے زیادہ خلیئے ہوتے ہیں۔ قائلین ارتقاء کے ہاں یہی ابتدائی واحد الخلیہ جرثومہ تخلیق کی پہلی کڑی تھی۔ بعد میں اسی کی نشوونما سے کیڑے، مکوڑے، مچھلیاں، سانپ، چوپائے، پرندے، بندر وغیرہ وجود میں آئے اور اس کی آخری کڑی انسان تھا۔ قرآن سلسلۂ ارتقاء کی تائید و تردید نہیں کرتا۔ البتہ کہیں کہیں بعض کڑیوں کی طرف اشارہ کر جاتا ہے۔ آیۂ ذیل میں مفسرین نفس واحد (ہر لحاظ سے ایک جاندار) سے آدم مراد لیتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس سے واحد الخلیہ جاندار UNI CELLULAR PROTOZOA مراد لیں تو غلط نہیں ہوگا۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① (نساء:۱)

(اے لوگو! اپنے اللہ سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک آدم یا (واحد الخلیہ جاندار) سے پیدا کیا۔ اسی سے اس کی مادہ پیدا کی۔ پھر ان دونوں سے بیشمار مرد اور عورتیں پیدا کر کے زمین میں انہیں پھیلا دیا)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ (انعام:۲)

(اللہ وہ ہے۔ جس نے تمہیں کیچڑ سے پیدا کیا)

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

(صفت:۱۱)

(ہم نے انسان کو کیچڑ کے جوہر سے پیدا کیا)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ (مومنون:۱۲)

(ہم نے انہیں لیسدار کیچڑ سے پیدا کیا ہے)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ

(انعام:۱۴۱)

(اللہ وہ ہے جس نے بیلوں سے چھتے ہوئے اور ان چھتے باغ، کھجوریں، مختلف ذائقہ کی غذائیں، زیتون، یک رنگ اور مختلف رنگ کے انار پیدا کیے۔ ان کے پھل کھاؤ۔ اور فصل اٹھاتے وقت اللہ کا حق بھی ادا کرو)

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَاۗبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

(الجاثیہ:۳تا۶)

(زمین و آسمان میں اہل ایمان کے لیے کتنے ہی اسباق موجود ہیں۔ تمہاری تخلیق، چوپاؤں کے پھیلاؤ، شب و روز کے ردوبدل، اس بارش میں جو بلندیوں سے اتر کر زمین مردہ کو زندہ کرتی ہے اور ہواؤں کی گردش میں ارباب عقل و یقین کے

لیے کتنے ہی سبق آموز نشانات موجود ہیں۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جو صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ تو پھر اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات پر وہ ایمان لائیں گے)

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ (یونس:۵)

(اللہ نے سورج کو ضیا بخشی [1] اور چاند کو نور عطا کیا۔ نیز چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تم ماہ و سال کا شمار کر سکو۔ اللہ نے یہ سب کچھ کسی عظیم مقصد کے لیے کیا ہے۔ اور ارباب علم کے لیے وہ اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے)

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (رعد:۲)

(اللہ وہ ہے۔ جس نے آسمانوں (اور ان کے کروڑوں سیاروں) کو ستونوں کے بغیر معلق کر دیا ہے۔ اور خود عرش سلطنت پہ متمکن ہو گیا)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ (ابراھیم:۳۲۔۳۳)

(اللہ وہ ہے۔ جس نے ارض و سما پیدا کیے۔ آسمان سے پانی برسا کر پھل لگائے۔ سمندر میں اللہ کے حکم سے چلنے والے جہازوں، بہتے دریاؤں، گھومنے والے شمس

1- جس طرح آگ کی گرمی فطری ہے۔ اور گرم پانی کی مستعار۔ اسی طرح سورج کی روشنی فطری ہے اور ضیا کہلاتی ہے۔ لیکن چاند کی روشنی مستعار ہے اور نور کے نام سے معروف ہے۔

و شمس و قمر اور لیل و نہار کو تمہارے کام میں لگا دیا)۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ (۱۹) وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ (۲۰) وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۚ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۲۱)

(حجر: ۱۹ تا ۲۱)

(ہم نے زمین کو بچھا کر اس میں پہاڑ گاڑ دیئے۔ اور اس سے ہر چیز تول تول کر پیدا کی ...... ہر شے کے خزانے ہمارے پاس ہیں۔ جنہیں ہم متعین مقدار میں اتارتے ہیں)

اگر پانی میں آکسیجن کی مقدار صرف ایک فیصد کم ہو جائے۔ تو پانی زہر بن جائے۔ اگر لوہے، تانبے یا سونے کے ایٹم سے صرف ایک ایک برقپارہ (الیکٹران) نکال دیں۔ تو وہ سب فنا ہو جائیں۔ اسی لیے اللہ نے پہلے اجزا کو تولا اور پھر اشیاء تیار کیں۔

جانداروں کی طرح نباتات میں بھی نر و مادہ کا سلسلہ موجود ہے۔ تتیاں، بھڑیں اور شہد کی مکھیاں نر پھول میں داخل ہو کر وہاں کے اجزائے تولید، ٹانگوں اور پروں کی مدد سے مادہ پھول تک پہنچا دیتی ہیں اور وہ حاملہ ہو جاتا ہے۔ اگر نر اور مادہ درختوں میں فاصلہ زیادہ ہو جیسے چیل اور دیودار کے درختوں میں تو پھر یہ کام ہواؤں سے لیا جاتا ہے۔ کہ ہوائیں نر کا پولن (تولیدی ذرات) اڑا کر مادہ تک پہنچا دیتی ہیں۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ

(حجر: ۲۲)

(ہم نے باردار کر دینے والی (یا بارش سے لدی ہوئی) ہوائیں چلائیں)

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ (۶۸) ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ

ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ (نحل:۶۸ تا ۶۹)

(تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی کہ پہاڑوں، درختوں اور بیلوں میں اپنا گھر بنا۔ پھلوں کا رس چوس اور اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر فرمانبرداری سے چل۔ اس کے بطن سے مختلف رنگ کا شہد نکلتا ہے۔ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے سبق موجود ہے)

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪﴿۱۱﴾ وَّبَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۪﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ﴿۱۴﴾

(نبا:۶ تا ۱۴)

(کیا ہم نے زمین کو تمہارا گہوارہ اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں نہیں بنایا۔ کیا ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے پیدا نہیں کیا۔ کیا ہم نے نیند کو سکون، رات کو لباس (پردہ پوش) اور دن کو تلاش رزق کے لیے موزوں نہیں بنایا۔ کیا ہم نے تمہارے سر پہ (ستاروں کے) سات مضبوط طبقے قائم نہیں کئے۔ ان میں ایک روشن چراغ نہیں لگایا۔ اور بادلوں سے موسلا دھار بارشیں نہیں برسائیں؟)

قیامت

ہر آسمانی کتاب نے موت کے بعد ایک ایسی زندگی کی خبر دی ہے۔ جہاں مجرموں کو سزا ملے گی۔ ناانصافیوں کی تلافی ہوگی۔ اور محبانِ انسانیت کو، جنہوں نے صداقت کی خاطر بڑے دکھ اٹھائے اور کئی صورتوں میں جان تک دے دی، انعامات سے نوازا جائے گا۔

اس کی صورت کیا ہوگی؟ یہ آیات ملاحظہ فرمایئے۔

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ

(نحل:۷۷)

(قیامت کا حادثہ آنکھ جھپکنے یا اس سے بھی کم وقت میں پیش آئے گا)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ (یس:۵۱۔۵۲)

(قیامت سے پہلے صور (کرنا۔ بگل) پھونکا جائے گا۔ تمام مردے قبروں سے نکل کر اللہ کی طرف چل پڑیں گے اور کہیں گے کہ ہماری بدبختی کا باعث کون بنا اور کس نے ہمیں قبروں سے اٹھایا؟ (شاید) یہی وہ حادثہ ہے۔ جس کی خبر اللہ نے دی تھی۔ اور بے شک پیغمبروں نے سچ کہا تھا)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾

(زمر:۶۸۔۶۹)

(صور دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی بار ارض و سما کی تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی۔ سوائے ان کے جنہیں خدا بچائے۔ دوسری مرتبہ تمام لوگ اٹھ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں گے۔ اس وقت اللہ کے نور سے زمین جگمگا اٹھے گی۔ نامہائے اعمال کھل جائیں گے۔ دوستداران انسانیت یعنی انبیاء و شہدا کو حاضر کیا جائے گا۔

نہیں ان کی خدمات کا پورا پورا اجر ملے گا۔ اور کسی سے ظلم نہیں کیا جائے گا)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾ (ق: ۲۰ تا ۲۲)

(بگل بجا دیا گیا۔ اور یہ ہے یوم موعود۔ لوگ یوں آ رہے ہیں، کہ ہر شخص کے ساتھ ایک ہانکنے والا بھی ہے اور ایک گواہ بھی۔ تم اس دن سے غافل تھے۔ آج ہم نے تمہاری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا ہے اور تمہاری نظر تیز ہو گئی ہے)

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ (الحاقہ: ۱۳ تا ۱۸)

(جس وقت صور پھونکا جائے گا۔ تو اللہ زمین کو پہاڑوں سمیت اٹھا کر یوں پٹخے گا کہ سب کچھ ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ یہ ہو گی قیامت۔ اس روز آسمان پھٹ کر ڈھیلا ہو جائے گا۔ فرشتے اطراف آسمان پہ جمع ہو جائیں گے۔ اور اللہ کے تخت کو آٹھ فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ اس وقت تم اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔ اور تم سے کوئی راز مخفی نہیں رہے گا)

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿١﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿٢﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿٣﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿٤﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿٥﴾ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ

الْقِيٰمَةِ ﴿٦﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿١٣﴾ (القیامہ: ۱ تا ۱۳)

(روز قیامت کی قسم۔ اور گناہ پہ ملامت کرنے والے نفس کی قسم (کہ یوم الحساب آ کر رہے گا) کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ ہم اس کی بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ ترتیب نہیں دے سکیں گے؟ کیا وہ جانتا نہیں کہ اس کے پوروں کو ترتیب دینے والے ہم ہی ہیں؟ انسان کی تمنا یہ ہے کہ وہ بدکاری سے اپنا مستقبل تباہ کر دے۔ اسی لیے (طنزاً) پوچھتا ہے کہ یہ قیامت کب آئے گی؟ اسے کہو۔ اس دن جب آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ چاند سیاہ ہو جائے گا اور شمس و قمر اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت انسان پوچھے گا۔ ہے کوئی راہِ فرار؟ ہرگز نہیں۔ آج کوئی جائے پناہ نہیں۔ سب اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور انہیں اگلے پچھلے اعمال کی خبر دی جائے گی)

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿٩﴾ (فاطر: ۹)

(اللہ وہ ہے۔ جو ہواؤں کو بھیج کر پہلے بادل بناتا اور پھر انہیں ہانک کر کسی مردہ بستی کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم مردہ زمین کو یوں زندہ کرتے ہیں۔ اور قیامت کے دن مردے بھی اسی طرح زندہ ہوں گے)

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا

تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ (اعراف:۱۸۷)

(یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ ان سے کہیئے کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے وہ وقت آنے پر اسے ظاہر کرے گا۔ یہ ارض وسما میں ایک بھاری حادثہ ہوگا اور تم پہ اچانک ٹوٹ پڑے گا)

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

(طه:۱۵)

(قیامت کو میں نے مخفی رکھا ہوا ہے۔ لیکن وہ آکر رہے گی۔ تا کہ ہر شخص کو اس کی کوشش کا صلہ ملے)

اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ

(یاد رکھو جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں)

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾ (انفطار:۱تا۵)

(جب آسمان پھٹ جائے گا۔ ستارے جھڑ جائیں گے۔ دریا بہہ پڑیں گے اور قبریں الٹ دی جائیں گی تو اس وقت انسان کو پتہ چلے گا کہ اس نے کون سا عمل آگے بھیجا اور کون سا پیچھے چھوڑا)

جنت

جنت کیا ہے اور وہاں کیا ہوگا؟ ان سوالات کا جواب قرآن مجید سے سنیئے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ط
(کہف:۳۱)

(نیک اہل ایمان کو دائمی باغات ملیں گے۔ جن میں نہریں رواں ہوں گی۔ انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سبز رنگ کے مہین و دبیز ریشمی کپڑے ملیں گے۔ اور وہ تخت پوشوں پہ تکیئے لگا کر بیٹھیں گے)

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾
(صفت:۴۱ تا ۴۹)

(اللہ کے نیک بندوں کو نعمتوں بھرے باغوں میں پھل اور کھانے کی دیگر اشیاء ملیں گے۔ وہ عزت پائیں گے وہ تخت پوشوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ انہیں پینے کو سفید رنگ کی شراب ملے گی۔ جس میں بڑی لذت ہوگی۔ جس کے پینے سے نہ سر چکرائے گا نہ سستی ہوگی۔ ان کو ایسی حیادار اور موٹی آنکھوں والی حوریں ملیں گی۔ جو ڈھانپے ہوئے انڈوں کی طرح سفید ہوں گی)

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ (طور:۲۴)

(ان کی خدمت کے لیے ایسے بچے مقرر ہونگے۔ جو ڈبیہ میں رکھے ہوئے موتیوں کی طرح خوبصورت ہوں گے)

جہنم

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا

يُخَفَّفُ عَنۡهُمۡ مِّنۡ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ كُلَّ كَفُوۡرٍ ۚ‏ ﴿۳۶﴾ وَهُمۡ يَصۡطَرِخُوۡنَ فِيۡهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَيۡرَ الَّذِىۡ كُنَّا نَعۡمَلُ ؕ اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ ؕ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ ﴿۳۷﴾ (فاطر:۳۶تا۳۷)

(اللہ کے نافرمان جہنم کی آگ میں جلیں گے۔ وہاں نہ انہیں موت آئے گی کہ عذاب سے چھوٹیں اور نہ سزا میں تخفیف ہوگی۔ ہم نافرمانوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ یہ لوگ چیخ چیخ کر کہیں گے کہ اے رب ہمیں جہنم سے نکال کر دنیا میں واپس بھیج تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے تم کو دنیا میں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں ہر سوچنے والا اپنا نیک و بد سوچ سکتا تھا اور کیا تمہاری طرف ہمارا ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا تھا؟ اب اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھو۔ یہاں ظالموں کا مددگار کوئی نہیں)

الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِالۡكِتٰبِ وَبِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسۡحَبُوۡنَ ﴿۷۱﴾ فِى الۡحَمِيۡمِ ۙ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسۡجَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ (مومن:۷۰تا۷۲)

(جن لوگوں نے ہماری کتاب اور ہمارے رسولوں کو جھٹلایا۔ انہیں جلد اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔ ان کی گردن میں طوق اور زنجیر ڈال کر انہیں ابلتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا اور پھر آگ میں جھونکا جائے گا)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ﴿۴۴﴾ كَالۡمُهۡلِ ۛ يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلۡىِ الۡحَمِيۡمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰى سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِيۡمِ ﴿۴۸﴾ ذُقۡ ۙ اِنَّكَ اَنۡتَ

اَلۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ﴿۴۹﴾ (الدخان: ۴۳ تا ۴۹)

(بے شک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا۔ جو (کریہہ صورت ہونے میں) تیسل کی تلچھٹ جیسا ہوگا (اور) وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو۔ چکھ کہ تو بڑا معزز مکرم ہے)

فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِيۡمُ ﴿۱۹﴾ يُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَالۡجُلُوۡدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمۡ مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِيۡدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا ۗ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۲۲﴾ (الحج: ۱۹ تا ۲۲)

(اللہ کے نافرمانوں کو آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ ان کے سروں پہ کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ ان کی انتڑیاں اور کھالیں گل جائیں گی۔ انہیں لوہے کے ہتھوڑوں سے پیٹا جائے گا۔ اور جب کبھی وہ جہنم سے بھاگنے کی کوشش کریں گے۔ تو انہیں پکڑ کر دوبارہ اس میں دھکیل دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھو)

هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ؕ﴿۱﴾ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ﴿۳﴾ تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ﴿۴﴾ تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ؕ﴿۵﴾ لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ ۙ﴿۶﴾

(الغاشیہ: ۱ تا ۶)

(کیا تم تک ڈھانپ لینے والی مصیبت کی خبر پہنچی ہے؟ اس روز کتنے ہی چہرے ذلیل، مصیبت زدہ اور خستہ نظر آئیں گے یہ سب آگ میں جلیں گے۔

انہیں پینے کو اُبلتا ہوا پانی اور کھانے کو صرف کانٹے ملیں گے)

قرآن حکیم میں شاید ہی کوئی ایسا رکوع ہو جس میں جنت، جہنم اور حشر و نشر کا ذکر نہ آیا ہو۔ ایسی آیات کی تعداد ایک ہزار سے کم نہیں ہے۔ لیکن ہم انہی چند آیات پہ اکتفا کرتے ہیں۔

دنیا و آخرت

نوع انسان تین طبقوں میں منقسم ہے۔ اول۔ وہ جس کا کام مال و زر سمیٹنا، جائیدادیں بنانا اور بینک بیلینس میں اضافہ کرنا ہے۔ یہ لوگ دنیا کے جھمیلوں میں یوں گم ہیں کہ انہیں خدا، رسول اور انسان سب بھول گئے ہیں۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ (کہف: ۱۰۳ تا ۱۰۵)

(کیا ہم تمہیں ان لوگوں کے متعلق کچھ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے خسارے میں رہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا طلبی تک محدود رہیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ کوئی اچھا کام کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے خدائی ہدایات کو نظر انداز کیا اور اس بات کو تسلیم نہ کیا کہ بعد از مرگ وہ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ اس لیے ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا وزن نہیں کریں گے)

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾

(بقرہ: ۲۰۰)

(بعض لوگ اللہ سے صرف دنیوی مال ومتاع طلب کرتے ہیں انہیں آخرت کی نعمتوں سے کچھ نہیں ملے گا)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ال عمران:۷۷)

(جو لوگ اللہ سے کئے گئے عہد اور اپنی قسموں کو چند ٹکے لے کر توڑ دیتے ہیں۔ انہیں اگلی زندگی میں کچھ نہیں ملے گا۔ ان سے نہ تو اللہ بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ نہ انہیں پاک کرے گا اور وہ ایک دردناک عذاب کا شکار ہو جائیں گے)

دوم۔ تارکین دنیا کا طبقہ۔ عیسائیوں میں یہ لوگ رہبان، ہندوؤں میں سادھو یا جوگی اور تبت میں لامے کہلاتے ہیں۔ ان کی ایذیت پسندی کا یہ عالم ہے کہ یہ کئی کئی دن بھوکے رہتے ہیں۔ سالہا سال غاروں، پہاڑوں اور خوفناک جنگلوں میں گذار دیتے ہیں۔ یہ رات کو کبھی برف، اور کبھی کانٹوں پہ سوتے ہیں اور دنیا کی تمام راحتوں اور نعمتوں سے دو بھاگتے ہیں۔ ان کے متعلق قرآن کا فیصلہ یہ ہے۔

وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ (حدید:۲۷)

(ترک دنیا (رہبانیت) کا نظریہ نصاریٰ کی اپنی اختراع تھا۔ ہم نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ (اعراف:۳۲)

(ان سے پوچھو کہ یہ سامان زینت اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں جو اللہ نے اپنے

بندوں کے لیے پیدا کی ہیں کسی نے حرام کی ہیں)

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ (اعراف:۳۱)

(کھاؤ پیو۔ لیکن اسراف نہ کرو)

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

(نحل:۱۱۴)

(اللہ کا عطا کردہ حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو)

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝۱۰ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۠ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝۱۱ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱۲ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳ (رحمٰن:۱۰ تا ۱۳)

(اللہ نے زمین کو مخلوق کے لیے بچھایا۔ اس سے میوے اور خوشے دار کھجوریں اگائیں۔ نیز ایسا غلہ پیدا کیا جس کے ساتھ کچھ بھوسہ تھا اور کچھ غذائیت۔ تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے)

سوم۔ پیروان قرآن۔ جن کے ہاں دین و دنیا اور جسم و روح زندگی ہی کے دو رخ ہیں۔ انہیں حکم دیا گیا کہ یہ ظاہر و باطن دونوں کو سنواریں اور دنیا و آخرت ہر دو کی بھلائی طلب کریں۔ جس کی غذا پھل وغیرہ ہے اور روح کی عبادت و محبت۔ دونوں کو مناسب غذا دے کر توانا و صحت مند بنائیں۔

رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۲۰۲ (بقرۃ:۲۰۲،۲۰۱)

(اہل ایمان کی دعا یہ ہے کہ اے رب! ہماری دنیا و آخرت دونوں کو سنوار اور

ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی کمائی اور کوشش کا صلہ ملے گا۔ اور اللہ حساب کرنے میں بہت تیز ہے)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(النور:۵۵)

(اللہ ان اہل ایمان سے جن کے اعمال اچھے ہیں وعدہ کرتا ہے کہ انہیں گذشتہ نیک اقوام کی طرح اس زمین کی خلافت (حکومت) عطا کرے گا)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۴۶

(الروم:۴۶)

(اللہ کی نعمتوں میں سے ایک یہ کہ وہ بارش کی بشارت دینے والی ہوائیں بھیج کر تمہیں اپنی رحمت (بارش) سے لطف اندوز کرتا، دریاؤں کو اپنے حکم سے کشتی رانی کے قابل بناتا اور تمہیں تلاش رزق اور ادائے شکر کے مواقع بہم پہنچاتا ہے)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۱۰۵

(یوسف:۱۰۵)

(زمین و آسمان میں کتنی ہی ایسی آیات (اسباق) ہیں۔ جن سے وہ غافلوں کی طرح گزر جاتے ہیں)

• الغرض ارض و سما کی تمام نعمتیں یہ آفتاب و ماہتاب، یہ جہاں و بحار، یہ اشجار، یہ گھٹائیں، یہ ہوائیں، یہ بدلتے ہوئے موسم، یہ رنگ و نور کا عالم، یہ حیوانات و طیور، یہ معادن و مخازن سب کچھ انسان کے لیے ہے ان کا صحیح استعمال عبادت ہے اور ان سے اعراض باعث ذلت و لعنت۔

ذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی
رْشِ ط یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ
نَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا ط وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ط وَاللّٰہُ
ا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴﴾ (الحدید:۴)

اللہ نے زمین و آسمان چھ دن میں پیدا کیے اور پھر تخت حکومت پہ متمکن ہو گیا۔ وہ جانتا ہے کہ زمین میں کیا چیز داخل ہوتی اور کون سے چیز نکلتی ہے، آسمان سے کیا چیز اترتی اور کون سی چیز چڑھتی ہے۔ تم جہاں بھی جاؤ گے اللہ تمہارے ساتھ ہو گا۔ اور وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے)

صلوٰۃ و زکوٰۃ

انسان کی نشوونما دو طرح سے ہوتی ہے۔

اول۔ جسمانی۔ کہ وقت ولادت انسان کا وزن تین سیر ہوتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے دو اڑھائی من تک پہنچ جاتا ہے۔ دوم۔ معنوی جو تین سمت میں ہوتی ہے۔ اول۔ علمی، کہ اگر علم کا سلسلہ جاری رہے تو آدمی ارسطو، سقراط یا آئن سٹائن بن جاتا ہے۔ دوم۔ اخلاقی، کہ خوش اخلاق بداخلاق سے، سچا جھوٹے سے، دیانتدار بددیانت سے اور مہذب غیر مہذب سے بڑا ہوتا ہے۔ سوم۔ روحانی، یہ عظمت، عبادت و سخاوت سے حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کتنے ہی روحانی اکابر مدفون ہیں۔ مثلاً لاہور میں حضرت داتاؒ، پاکپتن میں حضرت شکر گنج، ملتان میں حضرت بہاء الحق زکریاؒ، جھنگ میں حضرت سلطان باہوؒ اور اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدینؒ۔ یہ لوگ ذکر و عبادت کی وجہ سے ہزار ہا بلندیاں طے کر کے اللہ کے قریب جا پہنچے تھے۔ اور دنیا کو ان کے منور چہروں میں نورِ خدا نظر آتا تھا۔ لاہور میں بادشاہ بھی دفن ہیں۔ لیکن زائرین کا جو ہجوم حضرت داتاؒ کے ہاں ملتا ہے وہ

بادشاہوں کو ان کی زندگی میں بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ عظمت کے علاوہ عبادت سے سکون
مسرت کی نعمت بھی حاصل ہوتی ہے۔ عصر رواں میں ننانوے فیصد لوگ سیم وزر کے تگ و دو
میں سرگرداں ہیں۔ اور حرص و اضطراب کی وجہ سے سکون قلب کی دولت کھو چکے ہیں۔ نتیجہ
خودکشی، شراب نوشی اور افیون خوری کا تناسب بہت بڑھ گیا ہے۔

عبادت کی وجہ سے چہروں پہ ایک پراسرار چمک آجاتی ہے۔ جسے عرف عام میں نور
کہا جاتا ہے۔ چالیس سال کی عمر کے بعد جب جوانی کی تازگی رخصت ہو جاتی ہے تو عابد کا
چہرہ اس آسمانی روشنی سے چمک اٹھتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ

(الفتح:۲۹)

(محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھی خدا کے نافرمانوں پہ سخت اور آپس میں نرم ہیں۔ تم انہیں رکوع و سجود کی حالت میں اللہ کے فضل و کرم کا طلب گار پاؤ گے۔ سجدوں کا اثر ان کے چہروں سے عیاں ہے۔ اور تم اسی نشان سے انہیں پہچانوں گے)

عبادت ماخذ قوت بھی ہے۔ عابدوں کی دعا میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ قبولیت کو عرشی بلندیوں سے کھینچ لاتی ہے اور مشکل کے وقت حیرت انگیز معجزے دکھاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحیرۂ قلزم کو شق کر ڈالا تھا۔ طور پہ اللہ کو جلوہ نمائی پہ مجبور کر دیا تھا۔ حضرت عیسیٰ اسی قوت کے بل پر مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ بدر و حنین میں کئی گنا حملہ آوروں کی تباہی اسی قوت کا کرشمہ تھا۔ اور آج بھی مسلح تصادم میں عبادت گزاروں کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ بشرطیکہ باقی تیاریاں مکمل ہوں۔ قرآن مجید کا حکم ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

(انفال:٦٠)

(تم تا بحد استطاعت وہ سامان قوت فراہم کرو اور تمہارے گھوڑوں کی وہ شان ہو کہ خدا کے دشمن اور تمہارے دشمن تمہارا نام سن کر کانپ اٹھیں)

ساتھ ہی فرمایا کہ جنگ میں قوت کے دوسرے ماخذ یعنی عبادت کو نہ بھولنا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٤٥

(انفال:٤٥)

(اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم جیت جاؤ)

الغرض عبادت میں عظمت، عزت، جمال، سکون قلب اور قوت ہے اور اسی لیے اللہ نے بار بار عبادت کا حکم دیا ہے۔

رہی زکوٰۃ۔ تو یہ دور حاضر کی سب سے بڑی مشکل یعنی معاشی ناہمواری کا حل مہیا کرتی ہے۔ اسلام دو قسم کے ٹیکس عائد کرتا ہے۔ اول۔ لازمی (زکوٰۃ) جو سالانہ بچت کا اڑھائی فیصد ہوتا ہے۔ دوم۔ صدقہ جس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ ایک مقام پر ایک سوال (کہ صدقے کی حد کیا ہے) کے جواب میں اللہ نے فرمایا:

قُلِ الْعَفْوَ ؕ (بقرہ:٢١٩)

(کہ اپنی ضرورت سے زائد تمام مال واسباب اللہ کے حوالے کرو)

اسلام میں محاصل کی شرح یہ ہے:

زکوٰۃ:

1- جمع شدہ رقم پر اڑھائی فیصد۔

2- ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری۔

3- تیس گائیوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ تیس پر سال بھر کا ایک بچھڑا۔ چالیس پر دو سال کا بچھڑا۔ ساٹھ پر دو بچھڑے۔ بھینسوں کی شرح زکوٰۃ بھی یہی ہے۔

4- چالیس بکریوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ چالیس پر ایک بکری۔ 121 پر دو۔ 201 پر تین۔ چار سو پر چار اور بعد کے ہر سو پر ایک بکری کا اضافہ ہوگا۔

5- سونے کا نصاب جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ساڑھے سات تولے ہے۔ اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ۔ زکوٰۃ کی شرح چالیس واں حصہ ہے۔ نصاب سے کم پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

6- غلے، پھل اور ترکاری (جن سے مقصد منافع کمانا ہو) کی زکوٰۃ دس فیصد ہے۔

7- ہر فروگذاشت، (مثلاً روزہ نہ رکھنا، روزتوڑ دینا، قسم توڑنا، عہد پورا نہ کرنا) پر فدیہ دینا پڑتا ہے۔ ان تمام مدات سے جو رقم وصول ہوگی۔ وہ غرباء پہ خرچ ہوگی۔

اس وقت ہمارے بینکوں کا سرمایہ یہ ہے:

1-	نیشنل بینک آف پاکستان	اندازاً	10۔ ارب روپیہ
2-	یو۔ بی۔ ایل		11ء "
3-	حبیب بینک		9ء "
4-	سٹینڈرڈ بینک		8ء "
5-	دیگر بینک		9ء "
		میزان:	47۔ ارب روپیہ

اس پہ زکوٰۃ کی شرح ایک ارب پینتیس کروڑ بنتی ہے۔ تمام پھلوں ترکاریوں اور عشری فصلوں کا عشر اور فدیہ 10 ارب سے کم نہیں ہوگا اتنی بڑی رقم سے پاکستان کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔

پر بہت زور دیا ہے اور بار بار زکوٰۃ، صدقہ، مساکین نوازی اور پرورش یتامیٰ کی ہدایت کی

۷۔ جب اہل جنت دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ (مدثر: ۴۲ تا ۴۴)

(تمہیں جہنم میں کیا چیز لائی تو کہیں گے کہ ہم نے نماز نہ پڑھتے تھے اور نہ مساکین کو کھانا کھلاتے تھے)

سورۂ البلد میں اسلام کو ایک گھاٹی کہا گیا ہے اور ساتھ ہی ارشاد ہوا ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ (البلد: ۱۱ تا ۱۶)

(وہ گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہوا۔ جانتے ہو کہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی گردن کو (دکھ یا غلامی سے) آزاد کرانا۔ بھوک (قحط۔ ناداری) کے دن قرابت دار یتیم یا گرد آلود مسکین کو کھانا کھلانا)

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

(الفجر: ۱۶ تا ۲۰)

(جب اللہ کسی شخص کو ابتلاء میں ڈال کر اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے۔ تو وہ شکایتاً کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ یاد رکھو۔ اس میں رب کا کوئی

کرتے۔ مساکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ مرنے والوں کا ترکہ
کھاتے اور مال سے بے حد محبت کرتے ہو)

تو گویا رزق میں فراخی غرباء کو اپنی کمائی میں شریک کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی موضوع پر چند اور آیات ملاحظہ ہوں:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝

(الیل: ۵ تا ۱۱)

(جو شخص غریبوں کو دیتا، اللہ سے ڈرتا اور سچی باتوں (وحی) کی تصدیق کرتا ہے۔ ہم اس کے لیے آسانیاں فراہم کریں گے۔ لیکن جس نے بخل سے کام لیا۔ غرباء سے بے نیازی برتی اور سچی باتوں کو جھٹلایا۔ ہم اسے دکھ میں مبتلا کر دیں گے اور اس کی دولت اسے ذلت و تباہی سے نہیں بچا سکے گی)

اللہ کی راہ میں دینے والا کیوں سکھ پاتا ہے؟ بخیل کیوں دکھ اٹھاتا ہے؟ جھکنے والوں پہ بلندیوں کی راہیں کیوں کھل جاتی ہیں؟ دوسروں کو دکھ دینے والا کیوں سکھ نہیں پاتا؟ اور انسانوں کا خادم کیوں مخدوم بن جاتا ہے؟ ان سوالات کا جواب ایک ہی ہے کہ ہماری زندگی پر چند پر اسرار قوانین کی حکومت ہے۔ جن کی تفصیل وحی نے پیش کی ہے۔ ان کا خلاصہ یہ کہ جو کرو گے وہ بھرو گے اور جو بوؤ گے وہ کاٹو گے۔ باپ کے نافرمان کو کبھی فرمانبردار اولاد نہیں مل سکتی۔ استاد کا باغی کبھی حصول علم میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دوسروں کی بیٹیوں کی توہین کرنے والا اپنی بچیوں کو توہین سے نہیں بچا سکتا۔ خاندان غلاماں کے ایک

بہرام شاہ (1239-1241ئ) کے ہاتھوں قتل ہوگئی تھی۔ خلجی خاندان کا ایک فرمانروا قطب الدین مبارک شاہ (1316-1320ئ) اپنے ایک سپہ سالار خسرو شاہ ناصرالدین کے ہاتھوں قتل ہوگیا تھا۔ اور خسرو شاہ کو چند ماہ بعد اس کے ایک بیٹے نے چھت سے گرا کر مار ڈالا تھا۔

جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا (یونس:۲۷)

(بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے)

تاریخ اس قسم کی مثالوں سے لبریز ہے اور اس حقیقت پہ شاہد کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ ہم اللہ کے فضل و کرم کی امید اسی صورت میں رکھ سکتے ہیں کہ دوسروں پہ کرم کریں اور اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیں۔ یہ مقام بہت مشکل سے ہاتھ آتا ہے اور اگر آ جائے تو دنیا و آخرت کی کامرانیاں قدم چومنے لگتی ہیں؟

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾ (الحشر:۹)

(اللہ کے بندے غرباء کو اپنے آپ پہ ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ وہ خود تنگی کا شکار ہوں۔ وہی لوگ آسودہ و کامران ہوں گے جو بخل سے محفوظ رہیں)

صلوٰۃ و زکوٰۃ پر چند اور آیات ملاحظہ ہوں:

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢﴾ ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِٱلْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ (بقرہ:۲تا۳)

(یہ قرآن ان خدا ترس لوگوں کے لیے درس ہدایت ہے۔ جو نادیدہ حقائق پہ ایمان لاتے، نماز قائم کرتے اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں)

عربی میں برائی گناہ، دکھ، غم، بیماری وغیرہ کے لیے ایک لفظ سیئۃ ہے۔ جمع: سیئات۔ دور حاضر کے سینکڑوں اطباطویل تجربوں کے بعد اس نتیجے پہ پہنچے ہیں کہ عبادت

نے والے عموماً لمبی عمر پاتے اور تمام امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر کوئی مریض پابند
ت بن جائے تو اسے جلد شفا ہوتی ہے۔ خود مجھے بھی اس حقیقت پہ یقین محکم حاصل
۔ اور میں کئی ہزار مریض، غم زدہ اور مفلس افراد کو عبادت کا پابند بنا کر دکھ سے نجات دلا
ؤں۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ

(هود:۱۱۴)

(دن کے دونوں کناروں پر تیز رات کے ایک حصے میں نماز ادا کرو کہ نیک اعمال برائیوں (دکھ وغیرہ) کو مٹا دیتے ہیں)

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۲

(رعد:۲۲)

(جو لوگ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے صبر سے کام لیتے، نماز قائم کرتے، ہمارے دیئے ہوئے رزق سے عیاں و نہاں خرچ کرتے اور بدی کے جواب میں نیکی کرتے ہیں۔ دار آخرت انہی کے لیے ہے)

وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ۝۲۷ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸

(رعد:۲۷-۲۸)

(اللہ گناہ ترک کرنے والوں کو اپنی راہ پہ ڈال دیتا ہے۔ یہ وہ اہل ایمان ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر سے ملتا ہے)

(گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی پابندی کرو)

فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ

(الحج:۷۸)

(نماز قائم۔ زکوٰۃ دو اور اللہ کا دامن تھام لو۔ کہ وہی تمہارا کارساز و دوست ہے)

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

(سجدہ:۱۵ تا ۱۶)

(ہماری باتوں پہ وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جو اللہ کا ذکر سن کر سجدے میں گر جاتے ہیں۔ اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور تکبر سے بچتے ہیں۔ رات کو ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اور وہ امید و بیم کی حالت میں اللہ کو پکارتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رزق سے خرچ کرتے ہیں)

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۭ﴿۵﴾

(البینہ:۵)

(ہم نے انہیں یہی حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر خلوص سے عبادت کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی ہے دین محکم)

دیکھا آپ نے کہ اللہ نے اسلامی نظام حیات میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کو کیا مقام دیا ہے؟ معاشی و روحانی قوت کے مآخذ یہی ہیں۔ معنوی عظمت انہی سے حاصل ہوتی ہے۔ انہی سے دلوں کو سکون اور دعاؤں کو قبولیت ملتی ہے۔ انہی سے چہرے روشن ہوتے ہیں۔ میں تو

یہاں تک کہوں گا کہ اسلام سے صلوٰۃ وزکوٰۃ میں سے کوئی ایک یا دونوں نکال دیجئے اسلام کی روح ختم ہو جائے گی۔ اسلام وہ واحد نظام زندگی ہے جو جسم وروح دونوں کو طاقتور بناتا اور دنیا وآخرت دونوں میں فلاح وراحت کی ضمانت دیتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

(یونس:۲۵)

(اللہ امن وسلام کی دعوت دیتا اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پہ ڈال دیتا ہے)

جب حضور ﷺ کی رحلت کے بعد بعض قبائل عرب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ ''جو شخص صلوٰۃ وزکوٰۃ میں تفریق کرے گا۔ میں اس کے خلاف تلوار استعمال کروں گا'' اور حجاز سے یمامہ تک تمام باغی قبائل کی سرکوبی کی۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ عبادت سے چہرہ منور ہوتا، دعا قبول ہوتی، دلوں کو سکون ملتا اور شخصیت میں ایک دلکش تبدیلی آتی ہے۔ جو شخص ترک نماز کے بعد ان فوائد سے محروم ہو جاتا ہے اس کے چہرے پہ تاریک سائے پھیل جاتے ہیں۔ وہ دلکشی کھو بیٹھتا ہے۔ اس کا سکون چھن جاتا ہے۔ اس کی دعائیں شرف قبولیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ فرمایئے! ایسے مسلمان اور کافر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ درست فرمایا تھا حضور ﷺ نے:

(جس نے دیدہ ودانستہ نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا)

اقبالؒ نے جس فقر (دنیا سے بے نیازی اور اللہ سے محبت) کا بار بار ذکر کیا ہے وہ عبادت ہی کا ثمر ہے۔ اور:

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

فقر مقام نظر ، علم مقام خبر
علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ
علم کا موجود اور فقر کا موجود اور
اشھد ان لا اله اشھد ان لا اله

اس فقر کو اقبالؒ نے متاع فقیر کہا تھا۔

مرے نالۂ نیم شب کا نیاز
مرے خلوت و انجمن کا گداز
یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

جہاد

مستشرقین نے جہاد پر بڑی لے دے کی ہے۔ اور کہا ہے کہ جہاد کا مقصد دوسروں کو بزور شمشیر مسلمان بنانا تھا۔ جہاد کی یہ تشریح درست نہیں۔ آج دنیا میں سینتالیس اسلامی سلطنتیں ہیں جن میں عیسائی ہندو، بدھ، سکھ، یہود اور دیگر مذاہب کے لوگ کروڑوں کی تعداد میں آباد ہیں۔ ان میں سے اگر کسی ایک سلطنت نے کسی ایک غیر مسلم کو بھی جبراً مسلمان بنایا ہو تو اس کا نام لیجئے۔ ہم نے امریکہ کے کسی حصے پر ایک لمحہ کے لیے بھی حکومت نہیں کی تھی۔ لیکن آج وہاں سیاہ فام مسلمانوں کی تعداد چالیس لاکھ کے قریب ہے۔ انڈونیشیا میں اسلامی حکومت 1945ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس وقت وہاں نو کروڑ مسلمان تھے۔ چین میں مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ کے قریب ہے۔ ان ممالک میں اسلامی تلوار آج تک نہیں گئی لیکن اسلام وہاں موجود ہے۔ بات یہ ہے کہ اسلام بزور شمشیر نہیں، بلکہ

قرآن مجید کی عظیم تعلیمات، مسلمانوں کے حُسن عمل اور حُسن اخلاق کی وجہ سے پھیلا تھا۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر اٹھارہ حملے کئے تھے۔ اس نے ہزاروں بستیاں، سینکڑوں شہر اور درجنوں قلعے فتح کئے۔ لیکن وہ کسی ایک دل کو بھی مسخر نہ کرسکا۔ دوسری طرف حضرت داتا گنج بخشؒ اور خواجہ اجمیریؒ بے تیغ وسناں ہند میں آئے۔ اور فیضانِ نظر دیکھیئے کہ پشاور سے اجمیر تک کروڑوں دلوں میں شمع توحید روشن کر گئے۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا

یہ سپاہ کی تیغ بازی وہ نگاہ کی تیغ بازی

دنیا میں کوئی قوم ایسی موجود نہیں جسے کسی دوسری قوم کے حملے کا خطرہ نہ ہو۔ 1938ء میں اٹلی نے حبشہ کو رگید ڈالا۔ ایک سال بعد ہٹلر آسٹریا، پولینڈ اور چند دیگر ریاستوں پہ چڑھ دوڑا۔ دو سو سال پہلے سات ہزار میل کی مسافت طے کر کے انگریز، فرانسیسی، پرتگیزی اور ڈچ ہندوستان پہ چڑھ آئے تھے۔ روس نے مشرقی یورپ کے درجن بھر ممالک کو قابو کیا ہوا ہے 1971ء میں ہندوستان نے پاکستان پہ حملہ کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ کیا ان حملوں کا انسداد ضروری نہیں؟ فوج اسی مقصد کے لیے ہوتی ہے۔ اگر روس اور امریکہ کئی سو ڈویژن فوج، کئی ہزار طیارے، لاتعداد میزائل اور ایٹم بم جمع کر لیں تو کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ لیکن اگر کوئی اسلامی سلطنت دو چار ڈویژن فوج رکھ لے تو یورپ کے صحافی اور اہل قلم شور مچا دیتے ہیں کہ دنیا خطرے میں ہے۔

یاد رہے کہ قرآن کا جہاد اپنے دفاع اور مظلوموں کی حمایت کے لیے ہے اور بس۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ؕ

(بقرہ:۱۹۰)

(تم اللہ کے لیے (ذاتی منفعت کے لیے نہیں) ان لوگوں سے لڑو جو تم پر حملہ کریں۔ لیکن زیادتی نہ کرو)

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ص
وَاتَّقُوا اللّٰهَ (بقرہ: ۱۹۴)

(جو شخص تم سے زیادتی کرے۔ تم بھی ویسی ہی زیادتی سے جواب دو۔ لیکن حد سے نہ گزرو اور اللہ سے ڈرو)

وَمَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج (نساء: ۷۵)

(تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر کیوں نہیں لڑتے جو ہر وقت یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی (یا ملک) سے نجات دلا جس کے باشندے ظالم ہیں)

اگر جنگ چھڑ جائے اور دشمن صلح کی التماس کرے تو جنگ بند کر دو۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ط (انفال: ۶۱)

(اگر تم سے لڑنے والے صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو صلح کر لو اور اللہ پر توکل کرو)

اللہ نے ان اہل کتاب سے بھی لڑنے کی اجازت دی ہے۔ جو خدا و آخرت پہ ایما نہیں رکھتے، دنیا میں گناہ پھیلاتے اور اپنے مذہب کی کوئی بات نہیں مانتے۔ ہاں اگر جزیہ دینے پہ آمادہ ہو جائیں تو جنگ بند کر دو۔

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ (التوبہ: ۲۹)

(تم ان اہل کتاب سے لڑو جو خدا و آخرت پہ ایمان نہیں رکھتے۔ خدا اور سول کی حرام کردہ اشیاء (شراب، جوا، فحاشی، بدکاری، سود وغیرہ) کو حرام نہیں سمجھتے اور اپنے دین کی پیروی نہیں کرتے۔ ان سے اس وقت تک لڑو۔ جب تک کہ یہ محکوم ہوکر جزیہ دینے پہ راضی نہ ہوجائیں)

جزیہ ایک برائے نام سا ٹیکس تھا۔ زکوٰۃ وصدقہ سے کئی گنا کم۔ خلفائے راشدین کے عہد میں جزیہ کی شرح یہ تھی۔

1- دولت مندوں پر ماہانہ	4 درہم
2- اوسط درجے کے لوگوں پر ماہانہ	2 درہم
3- کم حیثیت پر	1 درہم

عہد فاروق میں مسلم وغیر مسلم سب کی زمینوں کا مالیہ یہ تھا:

-1	گندم	2 درہم سالانہ
-2	جَو	1 〃 〃
-3	گنّا	6 〃 〃
-4	کپاس	5 〃 〃
-5	انگور اور کھجوریں	10 〃 〃
-6	ترکاری	3 〃 〃 [1]

قرآن نے جنگ بند کرنے کی اور صورتیں بھی بتائی ہیں۔

اول۔ کہ قانون شکن، چور اور شریر لوگ احترام قانون کا وعدہ کریں۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ (بقرہ:۱۹۳)

(ان سے یہاں تک لڑو کہ فساد ختم ہوجائے اور خدائی قانون (کا احترام) قائم ہوجائے)

-1 طبقات ابن سعد۔ الفاروق

دوم۔ دشمن اپنی مرضی سے اپنے دین کو چھوڑ کر مسلمان ہو جائے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوۃَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ

(توبہ:١١)

(اگر دشمن توبہ کرنے کے بعد صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام قبول کر لے تو وہ تمہارا دینی بھائی بن جائے گا)

مذہب کے معاملے میں اللہ نے خبر کی اجازت نہیں دی۔ آیۂ ذیل کا مضمون بہت واضح ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾ (بقرہ:٢٥٦)

(دین میں جبر کی اجازت نہیں۔ ہدایت و ضلالت کی راہیں واضح کر دی گئی ہیں۔ جو شخص شیطان کو چھوڑ کر اللہ پہ ایمان لائے اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ اللہ سمیع بھی ہے اور علیم بھی)

اوامر و نواہی

اوامر و نواہی سے مراد وہ ہدایت و احکام ہیں جن کی تعمیل سے سکھ اور خلاف ورزی سے دکھ ملتا ہے۔

ان میں سے چند یہ ہیں:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ

مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

(بنی اسرائیل: ۲۳ تا ۲۶)

(تیرے رب کا فیصلہ یہ ہے۔ کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین سے احسان کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو ان کے سامنے اف تک نہ کہو۔ نہ انہیں ڈانٹو۔ نہایت ادب سے بات کرو۔ انکسار و شفقت سے پیش آؤ اور دعا مانگو کہ اے اللہ! ان پہ اسی طرح رحم کر جس طرح انہوں نے مجھ پر رحم کر کے بچپن میں مجھ پالا تھا......رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور اسراف سے بچو)

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

(بنی اسرائیل: ۳۴ تا ۳۷)

(عہد کو پورا کرو کہ عہد کے متعلق جواب طلبی ہوگی۔ جب ماپنے لگو۔ تو پورا ماپو اور صحیح ترازو سے تولو کہ یہی بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہوگا۔ کسی ایسی چیز کے پیچھے مت جاؤ۔ جس کا تمہیں علم نہیں۔ کان، آنکھ اور دل کے متعلق باز پرس ہوگی۔ زمین پہ اکڑ کر مت چلو۔ کہ تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں سے

اونچے ہو سکتے ہو)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾

(الفرقان:٦٣ تا ٦٨)

(اللہ کے بندے زمین پر ہولے ہولے وقار سے چلتے ہیں اور جب اکھڑ لوگوں سے ان کا سامنا ہو جائے تو بچاؤ کا پہلو سوچ کر بات کرتے ہیں۔ یہ لوگ راتیں قیام وسجدہ میں گزارتے ہیں۔ یہ خدا کا شریک نہیں بناتے۔ نہ کسی نفس کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے بے وجہ قتل کرتے ہیں اور نہ فحش کاری کے مرتکب ہوتے ہیں)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ

(نساء:٥٨)

(اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا دو۔ اور لوگوں کے جھگڑے انصاف سے چکا)

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ

(نساء:٨٦)

(جب تمہیں کوئی سلام کہے تو بہتر صورت میں یا ویسا ہی اس کا جواب دو)

وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴿۱۹﴾

(لقمان:۱۹)

(اپنی چال درمیانی رکھو اور دھیمی آواز میں بات کرو کہ نا گوار ترین آواز گدھے کی ہے)

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾

(حم سجدہ: ۳۴)

(اپنا بچاؤ اس عمدہ طریقے سے کرو کہ تمہارا دشمن بھی تمہارا مخلص دوست بن جائے)

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡہِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ ۚ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹﴾ (منافقون:۹)

(اے ایمان والو! خیال رکھو کہ کہیں تمہارا مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے تمہیں غافل نہ کردے۔ ایسا کرنے والے خسارے میں رہیں گے)

اقوام کی ہلاکت

قرآن مقدس اور تمام دیگر آسمانی صحائف کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اقوام گناہ سے تباہ ہوتی ہے۔ اور گناہ کی فہرست بہت لمبی ہے۔ اس میں چوری، قتل، بدکاری، ظلم، غیبت، فتنہ انگیزی، اسلامی سلطنت کے خلاف بغاوت، مارکٹائی، دشنام، جھوٹ، شراب نوشی، قمار بازی، سودخوری، رشوت، گراں فروشی، جہالت، غرور، نسلی تفریق، کم کوشی اور کئی دیگر جرائم شامل ہیں۔ ہر قوم کو اپنی سماجی اور مذہبی اقدار بہت عزیز ہوتی ہیں کیونکہ معاشرے میں ہم آہنگی، توازن اور حسن انہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ قدریں ظلم، چوری اور فساد سے روکتی ہیں۔ انہی سے بڑوں کی عزت اور والدین کا احترام کیا جاتا ہے۔ یہی خواتین کے ناموس کی محافظ ہیں۔ جب کوئی شخص ان میں سے کسی ایک قدر کو پامال کردیتا ہے تو ساری آبادی بگڑ جاتی ہے اور اس کی تباہی کی دعائیں مانگنے لگتی ہے۔ اگر ملک کا حکمران ظالم، عیاش،

بدمست اور شرابی ہو تو جنگ کی صورت میں عوام حملہ آور کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ جس طرح بجلی کا بٹن دبانے سے پنکھا چل پڑتا ہے اسی طرح گناہ کرنے کے بعد تباہی کی چکی خود بخود حرکت میں آجاتی ہے اور بدکاروں کو پیس ڈالتی ہے۔ گناہ میں تباہی کے جراثیم اسی طرح نہاں ہیں جیسے آگ میں جلن اور زہر میں موت۔ کوئی ہے جو آگ میں ہاتھ ڈالنے کے بعد جلن سے محفوظ رہے۔ یا گناہ کرنے کے بعد نتائج گناہ سے بچ نکلے؟

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ۝۴ (عنکبوت:۴)

(کیا بدکن لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے؟ ان کا یہ فیصلہ کتنا غلط ہے)۔

بائبل میں ہے:

1- خدا خونی اور دغاباز سے نفرت کرتا ہے۔

2- خدا جھوٹوں کو نابود کر دے گا۔

3- خدا چاپلوس کے ہونٹ کاٹ دیتا ہے (زبور)

4- میں راشیوں اور ظالموں کو مٹا دوں گا (یسعیا)

5- میں بدکاروں کی فریاد نہیں سنوں گا اور انہیں قحط و وبا سے ہلاک کر دوں گا۔

6- اگر تم نے میری سنتوں کو حقیر جانا تو میں تم پر خوف، سیل اور تپ سوزاں مسلط کر دوں گا اور تم بغیر اس کے کہ تمہیں کوئی رگیدے بھاگتے جاؤ گے (احبار)

7- میں خطا کار کو آدمیوں کے کوڑوں اور بنی آدم کے تازیانوں سے پٹواؤں گا (سموئیل)

8- شریر کا چراغ ضرور بجھایا جائے گا۔ موت کا پلوٹھا اسے نگل جائے گا۔ اس کی جڑ سوکھ جائے گی۔ اس کی ڈالی کٹ جائے گی۔ اور اس کی یادگار زمین سے مٹ جائے گی۔ (ایوب)

اور قرآن مقدس کہتا ہے:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

(یونس:۱۳)

(تم سے پہلے کئی امتیں گزری ہیں۔ جنہوں نے ظلم کیا اور ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ان کے پاس ہمارے انبیاء واضح نشانات لے کر گئے تھے لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ ہم مجرم قوم کو اسی طرح سزا دیتے ہیں)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

(بنی اسرائیل:۱۷)

(ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قوموں کو تباہ کر دیا ہے اور اللہ بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے)

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ (الحج:۴۵)

(کتنی ہی بستیوں کو ہم نے اس لیے تباہ کر دیا تھا کہ وہ ظالم یعنی بدکار تھیں)

ظلم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو کسی دوسرے پہ کیا جائے۔ دوسرا وہ جو اپنے آپ پر توڑا جائے۔ شرابی اپنی صحت، شہرت اور روزی کا ستیاناس کرتا ہے۔ جواری سکون قلب اور متوازن رزق سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ عیاش ان گھروں کا غضب مول لیتا ہے جن کی بیٹیوں کو وہ زینت شبستان بناتا ہے۔ قاتل اپنے لیے پھانسی کا پھندا خریدتا ہے۔ وقس علی ہذا۔ کیا یہ لوگ ظالم نہیں ہیں؟

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (القصص:۵۹)

(ہم بستیوں کو اسی صورت میں تباہ کرتے ہیں کہ ان کے باشندے (اپنے آپ

پر) ظلم توڑنے لگیں)

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ (الروم:۹)

(کیا یہ لوگ زمین میں گھوم پھر کر ان لوگوں کا انجام نہیں دیکھتے جو ان سے پہلے یہاں آباد تھے۔ وہ طاقت میں زیادہ اور زمین کو آباد کرنے میں بہت کوشش کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس ہمارے رسول پہنچے لیکن انہوں نے پرواہ نہ کی۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ وہ گناہ کر کے
اپنے آپ پر ظلم توڑتے تھے)

ان آیات سے پوری طرح واضح ہے کہ گناہ کرنے والی اقوام (نیز افراد) تباہ ہو جاتی ہیں۔ تاریخ کیا ہے؟ تباہ شدہ اقوام کی داستان۔ انگریز کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ ان کی حکومت بورنیو اور برما سے کینیڈا تک اور آسٹریلیا سے کوہ قاف تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی عظیم سلطنت پر سورج کبھی نہیں ڈوبتا تھا اور آج یہ کیفیت ہے کہ وہاں سورج نکلتا ہی نہیں سال بھر کہر اور بادل چھائے رہتے ہیں اور ان کی سلطنت ایک چھوٹے سے جزیرے میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ ان لوگوں نے ڈیڑھ سو سالہ سلطنت میں محکوموں پہ بے پناہ مظالم توڑے تھے۔ انہوں نے اتنے سر قلم کیے، اتنے نفوس کو سپرد دار و زنداں کیا اور اس قدر لوٹ مچائی کہ مظلوموں کی فریادوں سے عرش الٰہی کانپ اٹھا اور اللہ نے جنگ کے بغیر ان سے ان کی وسیع امپائر چھین لی۔ یہی حال فرانس، ہالینڈ، اٹلی اور پرتگال کا ہوا۔ حکیم مشرق نے اس صورت حال کو 1930ء کے قریب

بھانپ لیا تھا:

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

اور بالآخر سرمایہ پرستی کا سفینہ گرداب گناہ میں پھنس کر ڈوب گیا یا ڈوبنے والا ہے۔

چند سوالات

اشتراکی کہتے ہیں کہ آدمی کا سب سے بڑا مسئلہ شکم ہے۔ جب تک پیٹ میں روٹی نہ پڑے وہ زندگی کے دیگر مسائل پہ غور کر ہی نہیں سکتا لیکن میرے خیال میں سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ انسان کیا ہے؟ کہاں سے آیا؟ اور کہاں جا رہا ہے؟ سورج میں نور و حرارت کہاں سے ہے؟ یہ ہوا کیا ہے؟ اور گھٹا کیا؟ یہ حیات و موت کا نظام کیوں قائم ہوا اور روز و شب کا اختلاف کس مقصد کے لیے عمل میں آیا؟ ان سوالات کا جواب فلسفہ و خرد نہیں دے سکتے بلکہ وہ فوق البشر ہستیاں دے سکتی ہیں جو حیات کے آغاز و انجام ہر دو سے باخبر تھیں جو زندگی کی سرحدوں سے پرے بھی دیکھ سکتی تھیں اور جنہیں خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل تھا۔ انہی جلیل القدر ہستیوں نے ہمیں بتایا کہ یہ ارض و سما، یہ شمس و قمر، یہ زمین اور اس کے خزائن سب انسان کے لیے ہیں۔ اور انسان اللہ کے لیے ہے ان معنوں میں کہ:

(اللہ ایک مخفی خزانہ تھا۔ جب اس نے چاہا کہ دنیا اس سے آگاہ ہو تو اس نے

انسان کو پیدا کر دیا)

کائنات میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جس نے اللہ کو اس کی تمام صفات سمیت پہچانا۔ اس کی قدرت، عظمت، وسعت اور طاقت کا اندازہ لگایا۔ اس کی نعمتوں کا شمار کیا۔ اس کے اشجار، بحار اور احجار سے فائدہ اٹھایا۔ نباتات سے دوائیں لباس اور کاغذ تیار کیا۔ لوہے سے ریلیں، کاریں اور نہ جانے کیا کیا بنایا۔ درختوں سے ایندھن، فرنیچر اور دیگر متاع حیات حاصل کیا۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (ابراھیم: ۳۴)

(اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو نہیں کر سکو گے)

اور پھر جھوم جھوم کر خدائی حمد و ثنا کے ترانے گائے۔

تو بات یوں ہوئی کہ اللہ نے زمین کو نعمتوں سے بھر دیا۔ انسان نے ان سے فائدہ اٹھایا اور اس کی زبان پر بے ساختہ نغمہ ہائے ثناء جاری ہو گئے۔ عرف عام میں ان نغموں کو تسبیح و تہلیل یا عبادت کہا جاتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریت: ۵۶)

(میں نے جن اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے)

اللہ کی عبادت اس لیے کہ انسان آغاز سے قوت و اقتدار کا پرستار رہا ہے۔ اگر اس کی جبیں کو صحیح سجدہ گاہ نہ ملے تو وہ ہر دہلیز پہ جھکنے لگتی ہے۔ اللہ جو ارض و سما کا خالق و مالک ہے پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ انسان کی انا ذلیل ہو جاتی ہے اور وہ خدائی رفعتوں سے ماسوا پرستی کی پستیوں میں گر جاتا ہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ (حج: ۳۱)

(ماسوا کا پرستار اس شخص کی طرح ہے جو آسمانی بلندیوں سے گر پڑے اور اسے

پرندے اچک لیں۔ یا آندھی اسے کسی دور دراز مقام میں پھینک دے)

اللہ کی عبادت انسان کو جلیل وجمیل بناتی ہے۔ اسے نور، حسن اور پاکیزگی عطا کرتی ہے۔ انبیاء کی آمد کا مقصد یہی تھا کہ وہ ابنائے آدم کو خدا رسیدہ بنا دیں۔ یعنی انسان بلند ہوتے ہوتے ایک ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ وہ اللہ کے کانوں سے سنے۔ اسی کی آنکھوں سے دیکھے۔ اسی کے پاؤں سے چلے اور موت کے دروازے سے گزر کر بے کراں زندگی کا ایک حصہ بن جائے۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا (ندیم قاسمی)

قرآن مقدس ایسا انسان تعمیر کرنا چاہتا ہے جو دنیا وآخرت دونوں کی زینت ہو۔ جو دنیا کو اپنے علم، عقل، محبت، خدمت، عدل اور حسن اخلاق سے آباد کرے۔ آخرت میں ہر سو چمن کھلائے اور جنت کی فضاؤں کو روشنیوں سے بھر دے۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ (تحریم:۸)
(امواج نور ان کے آگے اور دائیں طرف دوڑ رہی ہوں گی)

زندگی کی آخری منزل جنت ہے اور جنت نام ہے جوار یزداں کا۔ اس منزل کو وہی لوگ پاسکیں گے جو رضائے ایزدی کے سانچے میں ڈھل کر نکلیں۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ (رحمان:۴۶)
(اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے والے کو دو باغ ملیں گے)

دوسری طرف:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾

(رحمان:۴۱)

(مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے اور انہیں پاؤں اور بالوں سے

گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا)

رہبران ملت اور ماہرین تعلیم کا یہ فرض ہے کہ وہ طلبہ کو جہاں میڈیکل، انجنیئر نگ، آرٹس اور دیگر شعبہ ہائے حیات کے لیے تیار کریں۔ وہیں انہیں آخری منزل کا بھی پتہ دیں اور بتائیں:

مقامات از دو بیروں نیست فردا
بہشت جاودانی یا جہنم (سعدی)

کہ بعد از موت دو ہی مقامات ہوں گے بہشت جاوداں یا جہنم۔ قرآن حکیم نے اتنی مرتبہ جنت و جہنم کا ذکر کیا ہے گویا یہ کتاب اسی ایک حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اتری تھی۔

موت سے آگے کیا ہے؟ انسانی عقل اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ اللہ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے اس نے بار بار انبیاء بھیج کر ہمیں بتایا کہ موت کے بعد موت نہیں ہوگی۔ نیک لوگ جنت میں جائیں گے اور بدکار جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ والدین، اساتذہ، علماء اور دیگر بھی خواہان انسانیت کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ لوگوں کو جہنم کا ایندھن نہ بننے دیں۔ مجھے ان والدین پہ حیرت آتی ہے جو بچے کی ذرا سی تکلیف پر تو اتنے چیختے چلاتے ہیں کہ سارا محلہ بے چین ہو جاتا ہے لیکن اگر وہی بچہ جوان ہو کر عبادت سے بھاگے، قرآن تعلیمات کا مذاق اڑائے اور جہنم کی طرف دوڑ پڑے تو نہ ماں کچھ کہتی ہے نہ باپ۔ اور دونوں خوش ہوتے ہیں کہ ماشاء اللہ بچہ ماڈرن ہو گیا ہے۔ یہ بچے سے دشمنی نہیں کہ والدین اپنی آنکھوں کے سامنے اسے جہنم کے شعلوں میں دھکیل دیں۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ (مدثر: ۲۷ تا ۳۰)

(جانتے ہو کہ جہنم کیا ہے؟ ایک آگ جو کسی چیز کو اس کی اصلی ہیئت میں باقی نہیں

رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی۔ اور وہ جلا کر بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی۔ اس
پر انیس پاسبان مقرر ہیں)
ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچائیں۔
اگر تمام والدین اس مشورے پہ عمل کریں تو دنیا میں شاید ہی کوئی جہنمی باقی رہ جائے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝٦ (تحریم:٦)

(اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا
ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس پر ایسے مہیب و تند خو فرشتے مقرر ہیں جو
کسی صورت میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملے)

آخر میں مجھے اتنا ہی کہنا ہے کہ انسان اللہ سے دور ہو کر پٹ رہا ہے۔ اس کے سینے میں
اضطراب کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اسے کسی انسانی نظریہ سے سکون قلب نہیں مل سکا۔ اس لیے
اُٹھ اور دنیا کو قرآن کی عظیم، مقدس اور انقلاب آفرین تعلیم سے آشنا کر کہ وقت کی پکار یہی ہے۔

جہاں اگرچہ دگر گوں ہے قم باذن اللہ
وہی زمین وہی گردوں ہے قم باذن اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی خوں ہے قم باذن اللہ

مصنف کی دیگر کتب

- من کی دنیا
- دو قرآن
- عظیم کائنات کا عظیم خدا
- اللہ کی عادت
- مہماتِ رسول ﷺ
- ایک اسلام
- میری آخری کتاب
- امام ابن تیمیہ
- مضامین برق
- اسلام اور عصر رواں
- ہم اور ہمارے اسلاف
- جہان نو
- بھائی بھائی
- رمز ایمان
- فرمانروایان اسلام
- حرف محرمانہ
- حکمائے عالم (ترجمہ)
- معجم القرآن
- معجم البلدان
- تاریخِ حدیث
- دانش عرب وعجم
- دانش رومی وسعدی
- مسائل نو
- میری داستان حیات
- ہماری عظیم تہذیب
- لمعاتِ برق
- فلسفیانِ اسلام
- یورپ پر اسلام کے احسان
- الحاد مغرب اور ہم
- برق بے تاب
- گل ہائے ایران
- فروغ جاوداں
- عالم اسلام
- تحقیق عارفانہ

ISBN 969-503-935-9

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور